www.cpsglobal.org

الرسالہ
Al-Risala

November 2015 • No. 468 • Rs. 20

جس صورتِ حال کو بدلنا آپ کے اختیار میں نہیں، اس کو آپ اپنا دردِ سر بھی نہ بنائیے۔
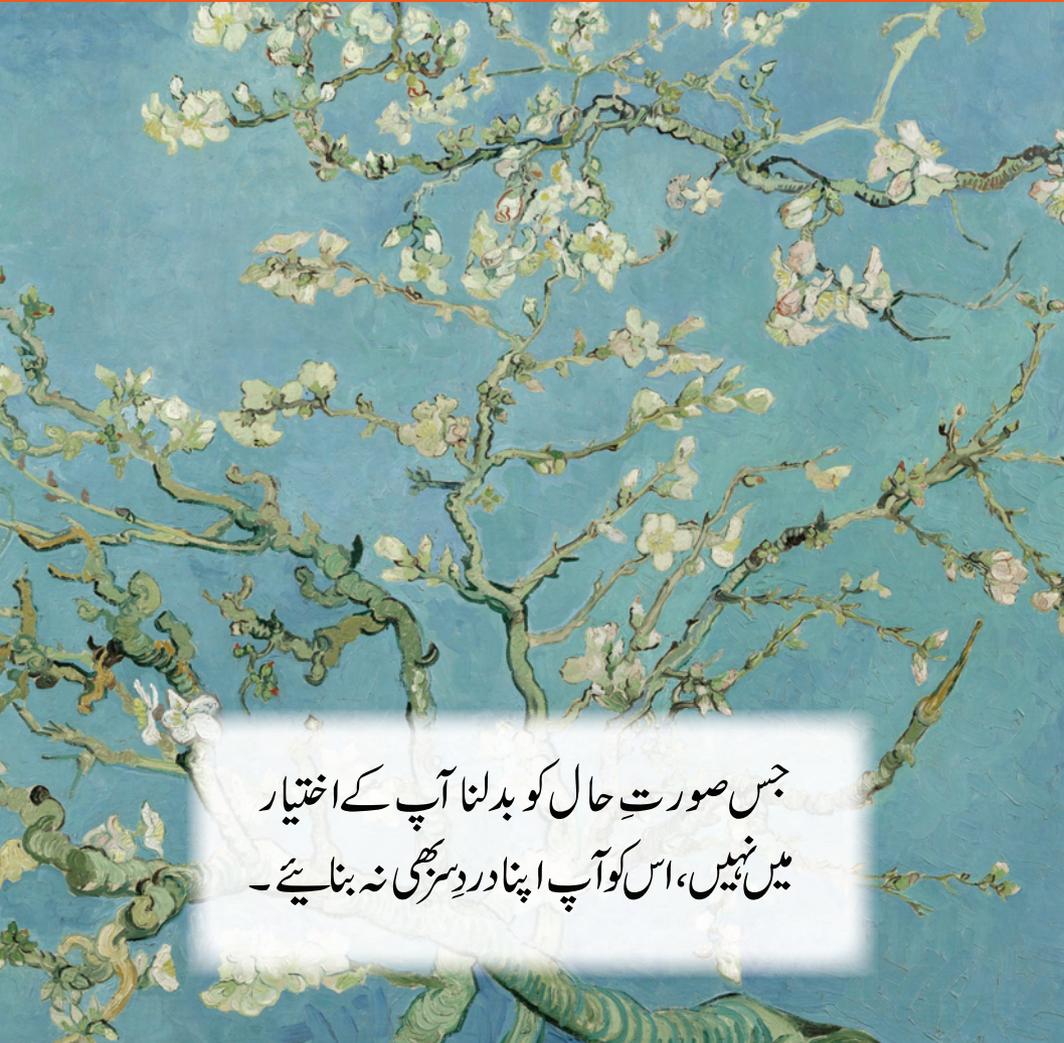
الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083,
M. +91-8588822679, +91-8588822680
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹ 20
One year ₹ 200
Two years ₹ 400
Three years ₹ 600
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051
(Total Pages: 52)

نومبر 2015

فہرست

نئی کتابیں
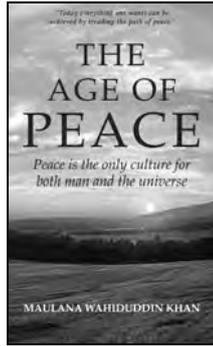
کلامِ الٰہی کی تبلیغ

قرآن کی سورہ نمبر 9 میں ایک حکم ان الفاظ میں آیا ہے: وَإِنۡ أَحَدٌ مِّنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ٱسۡتَجَارَكَ فَأَجِرۡهُ حَتَّىٰ يَسۡمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ أَبۡلِغۡهُ مَأۡمَنَهُۥۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُونَ (التوبۃ:6) یعنی اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دو، تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اس کو اس کے امان کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

قرآن کی اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے وہ محدود طور پر صرف پر مستأمِن (asylum seeker) کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ وہ ایک عام دعوتی حکم کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم بستی کو ایک ایسی بستی ہونا چاہیے، جہاں کلام اللہ (word of God) کی تبلیغ کا ماحول ہو۔ جہاں کا ہر گھر عملاً ایک دعوتی گھر ہو، جہاں کی ہر مسجد ایک دعوتی مسجد ہو، جہاں کا ہر مدرسہ ایک دعوتی مدرسہ ہو، جہاں کی ہر مجلس ایک دعوتی مجلس ہو۔ جب ایسا ہوگا، اسی وقت یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ وہاں آنے والا کوئی انسان اللہ کی بات کو سنے۔

یہ ایک فطری حقیقت ہے۔ کوئی تجارتی بستی ہو تو وہاں ہر طرف تجارت کی آواز سنائی دے گی۔ یہی معاملہ اہل ایمان کی کسی بستی کا ہے۔ اہل ایمان کی بستی اگر زندہ بستی ہو تو وہ ہر اعتبار سے دعوت حق کی ایک بستی ہوگی۔ اہل ایمان کی بستی کو ایک ایسی بستی ہونا چاہیے، جہاں آنے والا کوئی شخص اپنے آپ حق سے متعارف ہونے لگے۔ جس طرح تجارتی بستی میں ہر طرف تجارت کی آواز گونجتی ہے، اسی طرح اہل ایمان کی بستی وہ ہے جہاں ہر طرف حق کی آواز سنائی دیتی ہو۔

اہل ایمان کی کوئی بستی دعوتی بستی اس وقت ہوسکتی ہے، جب کہ وہاں رہنے والے افراد کے دلوں میں دعوتی ذمہ داری کا احساس موجود ہو۔ اسی کے ساتھ ان کے دلوں میں عام انسان کے لیے خیر خواہی کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ یہ دونوں باتیں اگر موجود ہوں تو اہل ایمان کی بستی اپنے آپ دعوتی بستی بن جائے گی۔ ایسی بستی کا ہر فرد گویا ایک داعی ہوگا، اور وہاں آنے والا ہر فرد گویا ایک مدعو۔

آخرت کی تلافی

ایک حدیثِ رسول ان الفاظ میں آئی ہے: عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :أتدرون ما المفلس؟قالوا: المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال:إن المفلس من أمتي يأتي يوم القيامة بصلاة، وصيام، وزكاة، ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح في النار (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2581) یعنی ابو ہریرہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم میں مفلس وہ ہے، جس کے پاس نہ درہم ہو، اور نہ کوئی سامان۔ آپ نے کہا کہ بے شک میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن آئے نماز کے ساتھ، اور روزے کے ساتھ اور زکاۃ کے ساتھ، مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، اور کسی کا خون بہایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا، پس ان میں سے ہر ایک کو اِس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا، پھر اگر لوگوں کو ان کا بدلہ دینے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں، تو اُن لوگوں کی خطاؤں میں سے لیا جائے گا، اور ان کو اس کے اوپر ڈال دیا جائے گا، پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس حدیثِ رسول سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک مسلمان بظاہر عبادت گزار ہو، مگر اسی کے ساتھ وہ اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو۔ بظاہر عبادت گزاری کے باوجود، وہ بدزبانی کرے، لوگوں کے اوپر جھوٹا الزام لگائے، وہ ناحق کسی کا مال غصب کرلے، اس نے کسی کو قتل کیا ہو، اس نے کسی کو مارا ہو تو قیامت میں اس کی نیکیوں کو لے کر انھیں دے دیا جائے گا، جن کے اوپر اس نے دنیا میں ظلم کیا تھا۔ اور اگر یہ کافی نہ ہو تو مظلوموں کے گناہوں کو لے کر اس کے اوپر ڈال دیا جائے گا، اور پھر اس کو جہنم میں داخل کردیا جائے گا— یہ حدیث اتنی سخت ہے کہ اس کو سن کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔

کریڈٹ لینے کا مزاج

احساسِ برتری (superiority complex) کا ایک ظاہرہ یہ ہے کہ آدمی ایسے عمل کا کریڈٹ لینا چاہتا ہے جس کو اس نے کیا نہیں۔ اس کردار کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں آیا ہے: وَیُحِبُّونَ أَنْ یُحْمَدُوا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوا (3:188)۔ اس معاملے کی ایک مثال یہ ہے کہ فارسی شاعر فردوسی (وفات: 1025) نے اپنی مشہور نظم شاہنامہ میں ایرانی پہلوان رستم کا ذکر کیا ہے۔ رستم اپنی قابلیت سے ایک مشہور پہلوان بنا تھا۔ لیکن فردوسی نے شاہنامہ میں اس کی بابت یہ شعر لکھا ہے کہ میں نے اس کو رستم پہلوان بنایا ہے، ورنہ وہ اکھاڑے کا ایک معمولی آدمی تھا:

منش کردہ ام رستمِ پہلواں　　　وگرنہ یلے بود در سیستاں

قومی مزاج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہندستان کے مسلمان اس کی ایک واضح مثال ہیں۔ آزادی (1947) کے بعد یہاں کے مسلم قائدین نے مسلمانوں کے اندر یہ ذہن بنایا کہ ہمارا ووٹ اس ملک میں بیلنسنگ (balancing) ووٹ ہے۔ ہم اس ملک میں بادشاہ گر (kingmaker) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم جس کو چاہیں جتائیں اور جس کو چاہیں ہرائیں۔ اس مزاج کا مظاہرہ بڑے پیمانے پر مئی 2014 کے جنرل الیکشن میں ہوا۔ اس موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں نے متفقہ طور پر یہ کوشش کی کہ الیکشن میں بی جے پی کو ہرائیں۔ مگر نتیجہ الٹا برآمد ہوا۔ بی جے پی کو اتنی بڑی کامیابی ہوئی کہ مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ معتوب آدمی ملک کا پرائم منسٹر بن گیا۔

فرضی کریڈٹ لینے کا مزاج دوسروں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا لیکن جن لوگوں کے اندر یہ مزاج ہو، ان کو ضرور اس کا نقصان پہنچتا ہے۔ اس صفت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی کے اندر غیر حقیقت پسندانہ مزاج بنتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو زیادہ سمجھنے لگتا ہے، اور دوسروں کو کم۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے انسان کے اندر ذہنی ارتقا (intellectual development) کا عمل رک جاتا ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کا خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اہم ترین تقریر ہے۔ یہ وہ خطبہ ہے جو آپ نے ۹ ذی الحجہ ۱۰ ھ کو عرفات کے میدان میں دیا تھا۔ حجۃ الوداع گویا زمانۂ نبوت کا سب سے بڑا اسلامی اجتماع تھا۔ اس موقع پر تقریباً سوا لاکھ اصحاب رسول جمع تھے۔ اس وقت اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل آپ نے یہ خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے ان تمام باتوں کا آخری اعلان فرمایا جس کے لیے آپ مبعوث کئے گئے تھے۔

حدیث کی کتابوں میں حجۃ الوداع کا نہایت تفصیلی تذکرہ ہے۔ مگر خطبہ حجۃ الوداع کسی روایت میں ایک کامل متن کی صورت میں مذکور نہیں۔ مختلف روایتوں میں اس کے متفرق اجزاء ملتے ہیں۔ متعدد اہل علم نے ان اجزاء کو جوڑ کر ایک مجموعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ خطبہ ایک لفظ میں خدا کی عظمت اور انسان کی مساوات کا اعلان تھا۔ آپ نے بتایا کہ انسانوں کے درمیان صحیح تقسیم صرف ایک ہے اور وہ خدا پرست ہونے اور خدا پرست نہ ہونے کی ہے۔ اس کے سوا دوسری تمام تقسیمات مصنوعی ہیں۔ آپ نے انہیں باطل ٹھہرایا اور امت کو ذمہ دار بنایا کہ وہ ہمیشہ اس کا اعلان کرتی رہے۔

اس اعلان کا ایک عملی اظہار یہ تھا کہ جس وقت سوا لاکھ انسانوں کے درمیان آپ نے عظمتِ خداوندی اور مساوات انسانی کا یہ خطبہ دیا اس وقت آپ کے سب سے زیادہ قریب دو آزاد شدہ غلام تھے۔ ایک بلال حبشی جو آپ کی سواری کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور دوسرے اسامہ بن زید جو آپ کے سر پر کپڑے کا سایہ کئے ہوئے تھے۔ یہاں اس اہم خطبے کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے:

ترجمہ

بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تمہارے اوپر حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔ سن لو کہ جاہلیت کے معاملے کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے اور جاہلیت کے تمام خون باطل کر دئے گئے اور سب سے پہلا خون جو میں باطل

کرتا ہوں وہ ہمارا خون، ربیعہ بن حارث کا خون ہے۔ اس نے بنوسعد سے دودھ پلانے والی کو طلب کیا تھا پھر اس کو ہذیل نے قتل کیا۔ اور جاہلیت کے تمام سود باطل ہیں۔ اور سب سے پہلا سود جو میں باطل کرتا ہوں وہ ہمارے خاندان کا سود، عباس بن عبد المطلب کا سود ہے وہ سب کا سب باطل ہے۔ تم لوگ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے۔ اور ان کے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو، جس کا آنا تمہیں پسند نہیں، نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مار سکتے ہو جو ظاہر نہ ہو۔ اور تمہارے اوپر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کو معروف طریقہ پر کھانا اور کپڑا دو۔ اور میں تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑو گے تو تم گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔ اور تم سے میری بابت پوچھا جائے گا۔ تو تم کیا کہو گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پہونچا دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی کی۔ آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر اس کو لوگوں کی طرف کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

دوسرا خطبہ

اے لوگو تم کیا جانتے ہو کہ تم کس مہینہ میں ہو اور تم کس دن میں ہو اور تم کس شہر میں ہو۔ لوگوں نے کہا کہ حرام دن اور حرام شہر اور حرام مہینہ میں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر اسی طرح قیامت تک کے لیے حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ شہر حرام ہے۔ پھر فرمایا۔ میری بات سنو اور اس کے مطابق زندگی گزارو۔ خبردار، ظلم نہ کرنا۔ بے شک کسی مسلمان آدمی کا مال لینا جائز نہیں، الّا یہ کہ وہ راضی ہو۔ سنو، جاہلیت کا ہر خون اور مال اور شرف قیامت تک کے لیے میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں اور پہلا خون جو باطل کیا جاتا ہے وہ ربیعہ ابن حارث ابن عبد المطلب کا خون ہے۔ اس نے بنوسعد سے دودھ پلانے والی کو طلب کیا تھا۔ پھر ہذیل نے اس کو قتل کر دیا۔ جاہلیت کے تمام سود باطل کئے گئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلا سود جو باطل کیا جائے وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے۔ تمہارے لیے تمہارا راس المال ہے

نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر کوئی ظلم کیا جائے۔ سنو، زمانہ گھوم گیا (پس وہ آج) اسی نقطہ پر ہے جس دن کہ خدا نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: خدا کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں، خدا کی کتاب میں، جس دن کہ اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے، پس تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ سنو، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ سنو، شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی عبادت کریں، لیکن آپس میں تم کو برانگیختہ کرکے وہ اپنا مقصد حاصل کرے گا۔ اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ وہ تمہاری دست نگر ہیں۔ وہ اپنے لیے کچھ نہیں کرسکتیں اور تمہارے اوپر ان کا حق ہے اور ان کے اوپر تمہارا حق ہے، یہ کہ تمہارے بستر پر وہ تمہارے سوا کسی اور کو نہ آنے دیں اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھر میں آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ پھر اگر تم ان سے نافرمانی کا اندیشہ محسوس کرو تو ان کو نصیحت کرو۔ اور ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو۔ اور ان کو ہلکی مار مارو۔ اور انہیں معروف طریقے پر کھانے اور کپڑے کا حق ہے۔ تم نے ان کو خدا کی امانت کے طور پر لیا ہے۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے۔ سنو، جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو صاحب امانت کو واپس کردے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا۔ کیا میں نے پہونچا دیا، کیا میں نے پہونچا دیا۔ پھر آپ نے کہا جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو پہونچا دے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جنہیں پہونچایا جائے وہ سننے والوں سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح

اس پورے خطبہ کا خلاصہ اس کے اس لفظ میں ہے: الالاتظلموا۔ الالاتظلموا۔ (خبردار ظلم نہ کرنا۔ خبردار ظلم نہ کرنا) اس خطبہ کا مقصد ظلم کے ہر دروازہ کو بند کرنا ہے خواہ وہ جھوٹے توہمات کی وجہ سے پیدا ہوا ہو یا غلط قوانین کی وجہ سے یا غرور اور سرکشی کی وجہ سے۔ اس مقصد کے لیے اعلان کردیا گیا کہ اصولی طور پر ہر آدمی کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو دوسرے کے لیے حرام ہے، اِلّا یہ کہ اللہ کے واضح قانون کی بنا پر اس کا جواز ثابت ہوتا ہو۔ جاہلی روایات اور انتقامی جذبات کے تحت ایک

دوسرے کے خلاف جوکارروائیاں کی جاتی ہیں وہ مطلق طور پر ممنوع قرار دیدی گئیں۔

سودی لین دین کو بالکل حرام قرار دے دیا گیا جو کہ سماج کے مختلف طبقات کے درمیان معاشی ظلم پیدا کرتا ہے۔ نیز دوسرے بالواسطہ طریقوں سے سماجی انصاف میں زبردست رکاوٹ ہے۔ عورتوں کے حقوق کو واضح طور پر متعین کر دیا گیا۔ اور مردوں کو اس سے روک دیا گیا کہ وہ عورت کو کمزور پا کر انھیں اپنی زیادتی کا نشانہ بنائیں۔

انسانوں کے درمیان باہمی معاملات کے لیے خدا کی کتاب اور رسول کی سنت کو آخری معیار قرار دے دیا گیا۔ لوگوں کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنا ہر جھگڑا قرآن وسنت کے احکام کے ماتحت طے کریں، خواہ قرآن وسنت کا فیصلہ ان کی مرضی کے موافق ہو یا ان کی مرضی کے خلاف۔

مسلمانوں کو ان کی گمراہی کے واحد سب سے بڑے سبب سے روکا گیا، اور وہ آپس کی نزاع ہے۔ خدا نے آخری دین کو اتنا محفوظ اور مستحکم کر دیا ہے کہ اب دین میں بگاڑ کے لیے شیطان کوئی راستہ نہیں پا سکتا۔ البتہ مختلف قسم کے جھوٹے نزاع کھڑے کر کے وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائے گا۔ مسلمان اگر اس فتنہ سے بچ گئے تو پھر کوئی دوسری چیز انھیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر امانت کی ادائیگی کا احساس پیدا ہو۔ خدا کے دین کو دوسروں تک پہونچانا بھی ادائیگی امانت ہے۔ لوگوں کے اموال کو انھیں لوٹانا بھی ادائیگی امانت ہے۔ اہل شخص کی اہلیت کا اعتراف کر کے اس کے لیے جگہ خالی کر دینا بھی ادائیگی امانت ہے۔ اور مسلمان کو پابند کیا گیا ہے کہ امانت کی ادائیگی کے ہر معاملہ میں وہ پوری طرح امین اور ذمہ دار ثابت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ گویا ایک زندہ پکار ہے۔ وہی حاجی حقیقی معنوں میں حاجی ہے جو حج کے دوران اس پکار کو سنے اور وہاں سے اس حال میں لوٹے کہ یہ خطبہ اس کی پوری زندگی کا لائحۂ عمل بن گیا ہو۔

توحید — انسانیت کی منزل

خدا انسانیت کی منزل ہے۔ اس دنیا میں وہی انسان کامیاب ہے جو ایک خدا کو اپنا سب کچھ بنالے۔ ہر انسان ایک نامکمل وجود ہے۔ خدا کے ساتھ وابستہ ہو کر وہ اپنے آپ کو مکمل کرتا ہے۔ خدا انسانیت کے تمام تقاضوں کی واحد تکمیل ہے۔

ہر انسان ایک روحانی تلاش میں ہے۔ ہر انسان اپنے لئے سکون واعتماد کا ایک مرکز چاہتا ہے۔ یہ مرکز صرف ایک خدا ہے۔ خدا انسان کی روحانی تلاش کا واحد جواب ہے۔ جس انسان نے خدا کو پالیا، اس نے گویا وہ سب کچھ پالیا جس کو وہ اپنے فطری تقاضے کے تحت پانا چاہتا ہے۔

موجودہ دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے انسان کو ایک دستورِ حیات درکار ہے جو اس کو بتائے کہ لوگوں کے درمیان اس کو کس طرح رہنا ہے اور کس طرح نہیں رہنا ہے۔ جو اس کو زندگی کی گائڈ بک عطا کرے۔ انسان کی اس طلب کا ماخذ بھی خدا ہے۔ خدا ہی انسان کو وہ قابل اعتماد رہنمائی دیتا ہے جس کی مدد سے وہ روشنی اور اندھیرے میں یکساں طور پر درست سفر کر سکے۔

خدا انسان کا خالق اور مالک ہے۔ وہی اس کا حق دار ہے کہ وہ انسان کو بتائے کہ زندگی کیا ہے اور موت کیا ہے۔ انسانیت کا قافلہ کہاں سے شروع ہوا اور وہ کہاں جارہا ہے۔ وہ صحیح راستہ کیا ہے جس پر چل کر وہ بھٹکے بغیر منزل پر پہنچ سکے۔

ہر انسان کی سب سے پہلی اور سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ وہ اس خدا کو پائے، وہ اپنے آپ کو خدا سے وابستہ کرے، وہ اس سے محبت کا تعلق قائم کرے۔ وہ اپنی پوری زندگی کا رخ خدا کی طرف موڑ دے۔ خدارخی زندگی (God-oriented life) ہی اس دنیا کی واحد درست زندگی ہے۔ جو ایسی زندگی کو اپنائے وہی کامیاب ہے اور جو ایسا نہ کرسکے وہی محروم اور ناکامیاب۔

کائنات کا نور

قرآن کی سورہ نمبر 24 میں بتایا گیا ہے: اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور: 35)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یعنی اس پوری کائنات میں جہاں بھی کوئی روشنی ہے وہ خدا کی ذات سے ہے۔ خدا اگر روشنی نہ دے تو کہیں اور سے کسی کو بھی روشنی ملنے والی نہیں۔

سورج اگر نہ ہو تو زمین پر ہر طرف اندھیرا چھا جائے۔ اسی طرح اگر ستارے نہ ہوں تو ساری کائنات گہری تاریکی میں ڈوب جائے۔ خدا نے ساری کائنات میں بے شمار تعداد میں انتہائی روشن قسم کے متحرک اجسام پھیلا دئے ہیں جو کائنات کے ہر حصہ کو مسلسل طور پر روشنی کا تحفہ دے رہے ہیں۔ اگر یہ کائناتی انتظام نہ ہو تو دنیا اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تاریکی کا ایک بھیانک غار بن جائے گی۔

یہ مادی روشنی کا معاملہ ہے۔ یہی معاملہ فکری اور روحانی روشنی کا ہے۔ اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کو ضرورت ہے کہ اس کے ذہن کو وہ رہنمائی ملے جس کی روشنی میں وہ صحیح طور پر سوچے اور اس کو وہ روحانی خوراک ملے جو اس کے سینہ میں حکمت حیات کا باغ اگا دے۔ اس فکری اور روحانی روشنی کا سرچشمہ بھی صرف اور صرف خداوند ذوالجلال ہے۔ یہ روحانی روشنی بھی ایک خدا کے سوا کہیں اور سے انسان کو ملنے والی نہیں۔

علمِ توحید

توحید کا عقیدہ اسلام میں اساسی عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ توحید کے موضوع پر عربی اور دوسری زبانوں میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ اِن کتابوں کو پڑھیں تو اُن میں آپ کو غرض وغایت کے اعتبار سے، اِس طرح کے الفاظ لکھے ہوئے ملیں گے: علمِ توحید سب سے افضل علم ہے۔ معاذ بن جبل کی مشہور روایت میں توحید کے عقیدے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّلیت دی تھی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید کا علم سب سے افضل علم ہے، وغیرہ۔

علمِ توحید بلاشبہہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن عملی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ اہمیت اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ ایک افضل علم ہے۔ علمی اعتبار سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک اساسی علم ہے۔ اساسی علم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ توحید ہی وہ بنیاد ہے جس پر بقیہ اسلامی اعمال کی عمارت

کھڑی ہوتی ہے۔توحید کی اساس نہیں تو بقیہ اعمال بھی نہیں۔

فکری انقلاب

توحید محض ایک روایتی عقیدے کا نام نہیں۔توحید دراصل عظیم ترین فکری انقلاب ہے جو عظیم ترین فکری دریافت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔توحید یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اپنے خالق اور مالک کی حیثیت سے دریافت کرے۔ اللہ جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے، اس کی دریافت جب کسی انسان کو ہوتی ہے تو اس کے ذہن میں ایک فکری بھونچال پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے اندر معرفت کا سمندر ایک طوفان بن کر داخل ہوجاتا ہے۔ اس کی سوچ اور اس کے جذبات میں ایک کامل نوعیت کی تبدیلی آجاتی ہے۔ اِس کے بعد وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔ اِسی نئے انسان کا نام مؤحد انسان ہے۔

اسلامی دعوت کے کام کا آغاز یہ ہے کہ انسان کے اندر عقیدۂ توحید کی بنیاد پر ایک فکری انقلاب برپا کیا جائے۔ اِس فکری انقلاب کے بعد ہی ایک انسان موحد انسان بنتا ہے، اور جب اِس انقلابی فکر کے حامل بہت سے افراد پیدا ہوجائیں تو اُن کے مجموعے سے وہ معاشرہ پیدا ہوتا ہے جس کو اسلامی معاشرہ کہا جاتا ہے۔

توحید کا مفہوم

توحید کیا ہے۔توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے۔ یہ یقین کیا جائے کہ تمام طاقتیں اور ہر قسم کے اختیارات صرف ایک خدا کو حاصل ہیں۔ وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔ عبادت کی قسم کا کوئی بھی فعل خدا کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ خدا ہی انسان کی مرادیں اور حاجتیں پوری کرتا ہے۔ خدا ہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ برتری صرف ایک خدا کا حق ہے، کسی اور کو اس دنیا میں حقیقی برتری حاصل نہیں۔ ایسا ہر عقیدہ باطل ہے جس میں ان تمام پہلوؤں میں خدا کے سوا کسی اور کو شریک کیا جائے۔

قرآن میں توحید کے عقیدہ کو ایک آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے— اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا۔ اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ

آسمانوں اور زمین میں ہے۔کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جو وہ چاہے۔اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے اور وہی ہے بلند مرتبہ والا اور بڑا (البقرۃ:255)

خدا کی پرستش کرنا، اپنے خالق و مالک کی پرستش کرنا ہے جو واقعی طور پر انسان کی پرستش کا حق دار ہے۔اس کے برعکس کوئی آدمی جب غیر خدا کے آگے سر جھکاتا ہے تو وہ اپنے جیسی ایک مخلوق کے آگے سر جھکاتا ہے جو اس کا حق دار نہیں کہ اس کے آگے سر جھکایا جائے۔خدا کی پرستش انسان کو عظمت عطا کرتی ہے اور غیر خدا کی پرستش اس کو توہمات میں مبتلا کر دیتی ہے۔خدا کی پرستش سے معرفت حق کے دروازے کھلتے ہیں، اس کے برعکس آدمی جب غیر خدا کی پرستش کرتا ہے تو وہ حق کی معرفت کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔

توحید صرف ایک ہے، مگر شرک کی ہزاروں قسمیں ہیں۔موحد انسان کا مرکز توجہ اور مرکز عبودیت صرف ایک خدا ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں اور اپنی پوری زندگی میں اسی ایک خدا کو اپنا سب کچھ بنائے ہوئے رہتا ہے۔مگر مشرک انسان کا کوئی ایک مرکزی نقطہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شرک کی بے شمار قسمیں بن جاتی ہیں— ستارہ پرستی، زمین پرستی، بت پرستی، ارباب پرستی، قبر پرستی سے لے کر نفس پرستی، دولت پرستی، اقتدار پرستی، مفاد پرستی، اولاد پرستی، وغیرہ۔

یہ تمام چیزیں درجہ بدرجہ غیر اللہ کی پرستش میں شامل ہیں۔اور قرآن میں ان کی کھلی مذمت کی گئی ہے۔موحد انسان وہ ہے جو ہر قسم کی برتر حیثیت صرف ایک خدا کو دے۔ اسی سے اپنی مراد مانگے۔اسی کے سامنے مراسم پرستش بجالائے، اسی پر سب سے زیادہ بھروسہ کرے، اسی کو ہر اعتبار سے برتر حیثیت دے۔

پرستش کسی سے تعلق کے اظہار کا آخری درجہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ پرستش کی تمام صورتیں صرف ایک خدا کا حق ہیں۔پرستش کی نوعیت کی کوئی چیز کسی غیر خدا کے لیے جائز نہیں۔

خوف ومحبت کا مرکز

توحید کا مطلب ہے ایک اللہ پر اعتماد کرنا اور اپنے سارے دل اور اپنے سارے دماغ کے ساتھ اس سے وابستہ ہو جانا، اُسی کو اپنے خوف ومحبت کے جذبات کا مرکز بنانا۔ انسان کے سوچنے اور محسوس کرنے کی جو صلاحیتیں دی گئی ہیں، وہ اپنا کوئی نہ کوئی توجہاتی مرکز چاہتی ہیں۔ آدمی فطری طور پر چاہتا ہے کہ کوئی ہو جس کی طرف وہ لپکے، جس سے وہ امید رکھے، جس کے اوپر وہ بھروسہ کرے، جس کی یاد کو وہ سرمایۂ حیات بنائے۔

آدمی اپنی ہستی کا ایک مرکز بنائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ خواہ یہ مرکز دولت واقتدار ہو یا قبریں اور دیوی دیوتا، یا کوئی دوسری چیز۔ یہ مرکز اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہو تو یہ شرک ہے۔ اور اگر انسان صرف اللہ رب العالمین کو اپنی ہستی کا مرکز بنائے تو اسی کو توحید کہتے ہیں۔ اسلام کا تقاضا ہے کہ آدمی اپنی توجہات کو صرف اللہ کی طرف موڑ دے۔ اس کے سوا کوئی چیز اس کے لئے مرکز توجہ کی حیثیت سے باقی نہ رہے۔

آدمی جب خدا کو اپنا معبود بناتا ہے تو وہ ایک ہستی کو اپنا معبود بناتا ہے جو حقیقی طور پر موجود ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی آدمی غیر خدا کو اپنا معبود بنائے تو اس نے ایک ایسی چیز کو اپنا معبود بنایا جس کا واقعات کی دنیا میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، خواہ بظاہر اس نے اس مفروضہ معبود کی ایک صورت بنا کر اپنے سامنے رکھ لی ہو۔ جو آدمی خدا کو اپنا معبود بنائے اس نے طاقت کے حقیقی سرچشمہ کو پالیا۔

اس کے برعکس جو آدمی غیر خدا کو اپنا معبود بناتا ہے وہ ایک ایسے توہماتی مفروضہ سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ خدا کا عبادت گزار ابدی سعادت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس غیر خدا کے عبادت گزار کے لئے ابدی محرومی کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

پیغمبروں کا مشن

پچھلے زمانوں میں خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر آئے وہ سب اسی لئے آئے کہ وہ انسان کو شرک

سے ڈرائیں اور انھیں توحید کی تعلیم دیں، تاکہ انسان اس کے مطابق، اپنی زندگی کی اصلاح کرے اور دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرسکے۔ مگر انسانیت کی لمبی تاریخ میں تقریباً ہر پیغمبر کے ساتھ ایسا ہوا کہ لوگوں کی زیادہ تعداد نے ان کی بات کو ماننے سے انکار کردیا۔ خاص طور پر سماج کے بڑے لوگ کبھی پیغمبر کو ماننے یا ان کا ساتھ دینے پر راضی نہیں ہوئے۔ اس تاریخی واقعہ کو قرآن میں اس طرح بتایا گیا ہے — افسوس ہے بندوں کے اوپر، جو رسول بھی ان کے پاس آیا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے (یس:30)۔

خدا کے پیغمبروں کو نظر انداز کرنے کا یہ معاملہ اس حد تک بڑھا کہ پچھلے دور میں آنے والے پیغمبروں کو انسانی تاریخ کے ریکارڈ سے حذف کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ماضی کی مدون تاریخ میں بادشاہوں کی داستانیں تو پڑھتے ہیں مگر پیغمبروں کا تذکرہ مدون تاریخ میں سرے سے موجود ہی نہیں۔

اس معاملہ میں صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا واحد استثناء ہے۔ آپ کو اللہ تعالی کی خصوصی مدد حاصل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے پہلی بار ردّ شرک اور اثبات توحید کی تحریک کو ایک ایسی زندہ تحریک بنایا جس نے اس تحریک کو فکری مرحلہ سے اٹھا کر عملی انقلاب کے مرحلہ تک پہنچا دیا اور اس کی ایک مستقل تاریخ بنادی۔

دو رکاوٹ

ردّ شرک اور اثبات توحید کی یہ تحریک قدیم زمانہ میں کیوں عملی انقلاب کے درجہ تک نہ پہنچ سکی۔ اس کا سبب خاص طور پر دو تھا: ایک، بادشاہت کا نظام، دوسرے، توہماتی افکار کا غلبہ۔ یہی دو بنیادی اسباب تھے جو پیغمبروں کے مشن کے خلاف ایک مستقل رکاوٹ بنے رہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے دور میں مشرکانہ بادشاہت کا نظام قائم تھا۔ موجودہ زمانہ میں جمہوری سیاست کا اصول رائج ہے۔ سیاسی لیڈر عوامی ووٹوں کے ذریعہ اپنے لئے حکمرانی کا حق حاصل کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے بادشاہ اس کے برعکس یہ کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو یہ یقین دلا کر حکومت کرتے تھے کہ ہم خدا کے نمائندے ہیں۔ ہم خدا کی اولاد ہیں۔

اسی نظریہ کے تحت قدیم زمانہ میں سورج ونشی اور چندر ونشی کا عقیدہ پیدا ہوا۔ گویا موجودہ زمانہ میں حکومت کی بنیاد سیکولر جمہوریت ہے جب کہ قدیم زمانہ میں حکومت کی بنیاد مشرکانہ عقیدہ پر ہوتی تھی۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (النازعات: 24)۔ اس بنا پر یہ بادشاہوں کے عین سیاسی مفاد میں تھا کہ شرک کا عقیدہ دنیا میں قائم رہے۔ چنانچہ ان کی خصوصی سرپرستی کے تحت عبادت گاہ سے لے کر جینے مرنے کی رسموں تک زندگی کا پورا نظام شرک کے اوپر قائم ہو گیا تھا۔

یہ مشرکانہ نظام قدیم زمانہ میں ہزاروں سال تک تمام دنیا میں چھایا رہا۔ بادشاہوں کی سرپرستی کی بنا پر یہ مشرکانہ نظام اتنا زیادہ طاقتور ہو گیا کہ وہ ہمیشہ پیغمبروں کے خلاف ایک مؤثر رکاوٹ بنا رہا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ قدیم زمانہ میں پیغمبروں کی تحریک صرف پیغام رسانی کے مرحلہ تک محدود رہی، وہ وسیع تر عملی انقلاب کے مرحلہ تک نہ پہنچ سکی۔

اس سلسلہ میں دوسری رکاوٹ وہ تھی جس کو توہماتی افکار کا دَور کہا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کہ جدید قسم کی سائنسی دریافتیں نہیں ہوئی تھیں، انسان فطرت کے مظاہر کی صحیح نوعیت کو نہیں سمجھ پایا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ دنیا میں مختلف قسم کی حیران کن چیزیں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ اور سمندر، زمین اور آسمان، درخت اور حیوانات وغیرہ وغیرہ۔

مظاہر کے اس تعدد کو دیکھ کر انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ ان کے خالق بھی کئی ہیں یا یہ کہ مختلف مظاہر خود مختلف خداؤں کا ظہور ہیں۔ اس طرح تعدّدِ مظاہر کی بنا پر تعدّدِ الٰہ کا نظریہ پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ سورج اور چاند کو ان کے غیر معمولی پن کی بنا پر خدا یا دیوتا سمجھا جانے لگا۔ انسان کے لئے یہ ناقابلِ یقین ہو گیا کہ جب مخلوقات میں اتنا زیادہ تنوع اور تعدد ہے تو ان سب کا خدا ایک کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی حقیقت کی طرف خدا کے پیغمبر حضرت ابراہیم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا تھا: رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا (ابراہیم: 36) یعنی فطرت کے یہ نمایاں مظاہر (سورج، چاند وغیرہ)

نے انسان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ لوگ انھیں مظاہر کو عظیم سمجھنے لگے۔ حالانکہ انھیں چاہیے تھا کہ وہ ان تمام چیزوں کو عظیم خدا کی مخلوق سمجھیں۔ مگر اس کے برعکس انھوں نے خود مخلوقات ہی کو خدا سمجھ کر ان کو پوجنا شروع کردیا۔

موجودہ زمانہ میں مذکورہ دونوں افسانوں کا خاتمہ ہوگیا۔ ایک طرف جمہوری افکار کے ذریعے ساری دنیا میں جو طاقتور سیاسی انقلاب آیا اس نے قدیم طرز کی مشرکانہ بادشاہت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔

اب آج کی دنیا میں قدیم طرز کے بادشاہوں کا کہیں وجود نہیں۔ وہ جدید جمہوریت کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اس جدید سیاسی انقلاب کے بعد مشرکانہ عقیدہ یا مشرکانہ نظام اس موثر سرپرستی سے محروم ہوگیا جو ردّ شرک اور اثباتِ توحید کی دعوت میں طاقتور رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اب یہ امکان پوری طرح کھل گیا ہے کہ پیغمبرانہ دعوت کو بھرپور طور پر جاری کیا جائے اور اس کو اس طرح چلایا جائے کہ اول سے آخر تک کسی بھی مرحلہ میں اس کو کسی مزاحمت کا خطرہ نہ ہو۔

توحید کا آغاز

توحید کا آغاز معرفت (realization) سے ہوتا ہے۔ یعنی خدا کو خالق و مالک کی حیثیت سے دریافت کرنا۔ کسی انسان کو جب خدا کی یہ معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس کا حال کیا ہوتا ہے۔ اس کو قرآن میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک آیت کا ترجمہ یہ ہے:

اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اِس سبب سے کہ ان کو حق کی معرفت حاصل ہوئی۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہم ایمان لائے۔ پس تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ اور ہم کیوں نہ ایمان لائیں اللہ پر اور اُس حق پر جو ہمیں پہنچا ہے جب کہ ہم یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو صالح لوگوں کے ساتھ شامل کرے۔ پس اللہ ان کو اِس قول کے بدلہ میں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کا (المائدۃ: 85-83)۔

خدا کی معرفت آدمی کے اندر کس قسم کی شخصیت پیدا کرتی ہے، اس کو قرآن میں مختلف انداز سے بتایا گیا ہے۔ اِس سلسلہ میں قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ یہ ہے: ایمان والے تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذِکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جائیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (الانفال: 2)

توحید کا خطاب

توحید کے عقیدہ کا خطاب اصلاً انسان سے ہے نہ کہ کسی نظام سے۔ یہ عقیدہ ایک فرد کے اندر جگہ پکڑتا ہے۔ وہ فرد کو یہ یقین دلاتا ہے کہ خدا اس کا خالق اور مالک ہے۔ وہ فرد کو خدا کی عظمت کے احساس میں سرشار کر دیتا ہے۔ وہ انسان کی پوری شخصیت کو خدا کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ وہ انسان کے فکر اور احساس کا کامل رہنما بن جاتا ہے۔

ایسا انسان خدا کو یاد کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ خدا کی پکڑ سے بچنا چاہتا ہے اور خدا کے انعام کا حریص بن جاتا ہے۔ توحید کا عقیدہ انسان کی داخلی شخصیت میں اِس طرح بھونچال بن کر داخل ہوتا ہے کہ وہ اس کی پوری زندگی کو ہِلا دیتا ہے۔ وہ خدا کو اپنا سب کچھ بنا لیتا ہے۔ اس کا جینا اور مرنا خدا کے لیے بن جاتا ہے۔ اس کی پوری زندگی خدا رخی زندگی (God-oriented life) بن جاتی ہے۔

توحید اور شرک

قرآن کی سورہ نمبر 2 کی ایک آیت یہ ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (البقرۃ: 165) یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا برابر ٹھہراتے ہیں۔ وہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا چاہئے۔ اور جو اہلِ ایمان ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔ اور اگر یہ ظالم

اس وقت کو دیکھ لیں جب کہ وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو وہ سمجھ لیتے کہ زور سارا کا سارا اللہ کا ہے اور اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے۔

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا کیا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا نِدّ ٹھہرایا جائے۔ نِدّ کے معنی مِثل (equal) کے ہیں۔ اللہ کے سوا، کسی اور کو اُس کا نِدّ ٹھہرانا شرک ہے، خواہ وہ کلی معنی میں ہو یا جزئی معنی میں۔

اللہ کا نِدّ ٹھہرانا کن پہلوؤں سے ہوتا ہے، مذکورہ آیت میں اِس کے دو پہلو بیان کئے گئے ہیں— محبت، اور قوت۔ قرآن کی ایک اور آیت کے مطابق، اِس کا تیسرا پہلو خشیت (التوبۃ:18) ہے۔ بنیادی طور پر یہی تین چیزیں ہیں جو شرک کی پہچان ہیں۔ مذکورہ تینوں معاملے میں جس نے اللہ کے سوا کسی اور کو شریک کیا، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ حتی کہ اگر کسی شخص نے خود اپنے آپ کو اِس قسم کا درجہ دیا تو اس کا کیس بھی شرک کا کیس بن جائے گا (الجاثیۃ:23)۔

اِس بات کو دوسرے لفظوں میں اِس طرح کہا جاسکتا ہے— توحید کا مطلب ہے ہر اعتبار سے، صرف ایک اللہ کو اپنا واحد کنسرن (sole concern) بنانا، اور شرک کا مطلب ہے— جزئی یا کلی طور پر کسی غیر اللہ کو اِس کنسرن میں شریک کرنا۔

جب کوئی شخص اللہ کو اِس حیثیت سے دریافت کرے کہ یہ اللہ ہے جس نے اس کو عدم سے وجود بخشا، جس نے اس کو اعلیٰ درجے کی شخصیت عطا فرمائی، جس نے اس کو زمین جیسے نادر سیارے پر آباد کیا، جس نے اُس کے لیے لائف سپورٹ سسٹم کا انتظام کیا، وغیرہ۔ اِس طرح کا احساس آدمی کے اندر اللہ کے ساتھ بے پناہ تعلق پیدا کرتا ہے، وہ اللہ کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ یہی اللہ کے ساتھ شدید محبت کی بنیاد ہے۔

پھر جب وہ اللہ کی اِس حیثیت کو دریافت کرتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اس کا یک طرفہ عطیہ ہیں، کسی بھی وقت اللہ اس کو چھین سکتا ہے۔ پھر یہ کہ ہر عطیہ کے ساتھ جواب دہی (accountability) جڑی ہوئی ہے۔ یہ احساس اس کو مزید اِس اندیشے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اگر میں نے ان عطیاتِ الٰہی کا

حق ادا نہ کیا تو اللہ کے یہاں میری سخت پکڑ ہوگی۔ یہ احساسات آدمی کے اندر وہ کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جس کو قرآن میں خوفِ شدید (التوبۃ: 18) کہا گیا ہے۔

اِسی کے ساتھ آدمی یہ دریافت کرتا ہے کہ اِس دنیا میں سارا اختیار صرف ایک اللہ کو حاصل ہے، اللہ کے سوا کسی اور کو جزئی درجے میں بھی کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اللہ ہی دینے والا اور اللہ ہی محروم کرنے والا ہے۔ یہ احساس اُس کو اپنے عجز کامل کی یاد دلاتا ہے۔ وہ اِس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں پاتا کہ وہ اللہ کے آگے اپنے آپ کو پوری طرح سرینڈر کردے۔

اہلِ توحید اور اہلِ شرک

آدمی جب خدائے واحد پر سچا یقین کرتا ہے تو نفسیاتی سطح پر خدا سے اس کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد روحانی تاروں پر اس کی پوری ہستی جگمگا اٹھتی ہے۔ وہ اپنی یادوں میں خدا کو پانے لگتا ہے۔ وہ اپنے آنسوؤں میں خدا کی جھلک دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی سوچ اور جذبات میں خدا اس طرح بس جاتا ہے جیسے کہ وہ خدا کے پڑوس میں پہنچ گیا ہو، جیسے کہ وہ خدا کے رحمت بھرے سایہ میں زندگی گزارنے لگا ہو۔

قرآن میں شرک کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے (لقمان: 13)۔ ظلم کا مطلب ہے کسی چیز کو غیر جگہ پر رکھ دینا (وضع الشيئ في غير موضعه)۔ یعنی شرک (خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا) اس کائنات میں سراسر اجنبی ہے۔ اس دنیا میں شرک کا عقیدہ رکھنے یا مشرکانہ فعل کرنے کے لئے کائنات میں کوئی جگہ نہیں۔

اس دنیا کا خالق ایک ہی خدا ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ وہی اس کو سنبھالنے والا ہے۔ اسی کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہیں۔ ایسی حالت میں جو شخص خدا کے سوا کسی اور کو خدا مانے یا کسی اور کو خدا کی خدائی میں شریک کرے اس نے ایک خود ساختہ مفروضہ کو واقعی حقیقت کا درجہ دے دیا۔ اس نے ایک ایسی چیز کو موجود فرض کیا جس کا اس دنیا میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

مشرکانہ طرز فکر تمام برائیوں میں سب سے بڑی برائی ہے۔ جس آدمی کا ذہن مشرکانہ طرز پر

سوچے، جس آدمی کے دل میں مشرکانہ خیالات پرورش پائیں، وہ ایک بے حقیقت چیز کو اختیار کرتا ہے۔ کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کی تردید کرتی ہے۔

شرک کا عقیدہ یا نظریہ آدمی کو فکری غذا دینے والا نہیں۔ وہ اس کو اس روحانی روشنی سے منور کرنے والا نہیں جس کے بغیر آدمی کا پورا وجود ہی اس دنیا میں بے معنی ہوجاتا ہے۔

توحید کی حقیقت کو کسی ایک لفظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ بندے کے ایک ایسے تعلق کا نام ہے جو محبت اور خوف اور توکل کے جذبات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ کوئی بندہ اس وقت اللہ کا موحد بنتا ہے جب کہ وہ اللہ کو اس طرح پائے کہ وہی اس کا محبوب بن جائے۔ اسی پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرنے لگے۔ اس کو سب سے زیادہ جس بات کا اندیشہ ہو وہ یہ کہ کہیں اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو اس کو خدا کی رحمتوں سے محروم کردے۔ ان تمام انسانی جذبات کے لئے صرف اللہ کو خاص کرلینے کا نام توحید ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں قرآن سے چند آیتیں نقل کی جاتی ہیں:

’’کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا برابر ٹھہراتے ہیں۔ وہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا چاہئے۔ اور جو اہلِ ایمان ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔ اور اگر یہ ظالم اس وقت کو دیکھ لیں جب کہ وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو وہ سمجھ لیتے کہ زور سارا کا سارا اللہ کا ہے اور اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے‘‘۔ (البقرۃ: 165)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التغابن: 13) یعنی اللہ، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (الانبیاء: 90) یعنی وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو امید سے اور ڈر سے اور وہ ہمارے آگے عاجزی کرنے والے تھے۔

ان آیات کے مطابق توحید، اعتقادی طور پر یہ ہے کہ آدمی سب سے زیادہ اپنے رب سے محبت کرنے لگے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ بھروسہ کی چیز اس کا خدا بن جائے۔ اس کی امیدیں

اوراس کے اندیشے اللہ کے ساتھ اس طرح وابستہ ہوجائیں کہ وہ اپنے روز وشب کے لمحات میں اس کو بے تابانہ پکارنے لگے۔

اِسی دریافت کا نام معرفت (realization) ہے۔ اِس دریافت سے جس کے اندر وہ شخصیت بنے جب کہ ایک اللہ ہی اس کے لیے سب کچھ بن جائے، وہ اُسی کی یاد میں جئے اور یہی سوچ اس کی غالب سوچ بن جائے، ایسا انسان شریعت کی اصطلاح میں موحّد ہے۔ اِس کے برعکس، اللہ جس کا واحد کنسرن نہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ وہ دوسری چیزوں کو بھی اپنا کنسرن بنائے ہوئے ہو، ایسا انسان شریعت کی اصطلاح میں شرک میں مبتلا ہے۔ موحد کی شخصیت انٹگریٹیڈ پرسنالٹی (integrated personality) ہوتی ہے، اورمشرک کی شخصیت اسپلٹ پرسنالٹی (split personality)۔

شریعت کے مطابق، اللہ انسان کی اصل غایت ہے، اور دوسری چیزیں صرف اس کی ضرورت۔ توحید اور شرک دونوں کا تعلق حقیقت سے ہے، نہ کہ صرف مظاہر سے۔

توحید اور شرک کا فرق

قرآن کے مطابق، شرک کا عقیدہ تمام انسانی برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے مقابلہ میں توحید کا عقیدہ تمام انسانی خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ قرآن میں واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا گیا ہے— بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا طوفان باندھا۔ (النساء:48)

توحید کا مطلب خالق کو پالینا ہے اور شرک کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مخلوقات میں اٹک کررہ جائے۔ توحید حقیقت کی سطح پر جینے کا نام ہے اور شرک کا مطلب توہمات کی سطح پر جینا۔ توحید اپنی فطرت کی دریافت کا نتیجہ ہے اور شرک اپنی فطرت سے بے خبری کا نتیجہ۔ اہل توحید ہی اس دنیا کے مطلوب انسان کی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ یہی لوگ ہیں جو خالق کی منشا کے مطابق ہیں۔

دنیا کے بنانے والے نے اس کو جس منصوبے کے تحت بنایا ہے، اہل توحید اس منصوبۂ الٰہی کی

تکمیل کررہے ہیں۔ وہ اس نقشہ پر ہیں جس نقشہ پر انسان کو ہونا چاہئے۔ اہل توحید خدا کے مطلوب انسان ہیں۔ وہ دنیا میں دنیا کے مالک کی مرضی کو پورا کررہے ہیں۔

شرک اور اہلِ شرک کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ شرک خدا کی دنیا میں ایک اجنبی تصور ہے۔ اہلِ توحید اگر اس دنیا میں مطلوب لوگ (wanted people) ہیں تو اہلِ شرک اس کے برعکس غیر مطلوب لوگ (unwanted people)۔ شرک کے عقیدہ کو اس دنیا میں اس کے مالک کی سند حاصل نہیں۔ شرک کی روش اس دنیا میں ایک ایسی روش ہے جس کی اجازت دنیا کے مالک نے دنیا میں بسنے والوں کو نہیں دی۔

گول خانہ میں کوئی چوکور چیز رکھی جائے تو وہ اس کے اندر فٹ نہیں بیٹھے گی۔ جب کہ گول خانہ میں گول چیز بالکل فٹ بیٹھ جاتی ہے۔ یہی معاملہ توحید اور شرک کا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے صرف توحید کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے توحید کا تصور یا موحدانہ زندگی اس کی فطرت کے عین مطابق ہے جب کہ شرک کا عقیدہ یا مشرکانہ زندگی انسانی فطرت کے مطابق نہیں۔

مشرک انسان کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ غیر خدائی چیزیں اس کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے پیش آنے والے مختلف حالات میں اس کا رویہ بھی انھیں غیر خدائی ہستیوں کی نسبت سے متعین ہوتا ہے۔ وہ اپنی کامیابی میں بھی انھیں کی طرف دوڑتا ہے اور ناکامی میں بھی وہ انھیں کی پناہ تلاش کرنا چاہتا ہے۔

اس کی مفروضہ غیر خدائی ہستیاں ہی ہر صورت حال میں اس کے دل و دماغ پر چھائی رہتی ہیں۔ موحد انسان اگر اپنے تجربات سے توحید کی غذا پاتا رہتا ہے تو مشرک انسان کے لئے اس کے تجربات مشرکانہ غذا کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

شرک کی بے ثباتی

شرک کیا ہے۔ شرک یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنائے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جب بھی کوئی انسان ، اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناتا ہے، تو وہ اپنے لیے نہایت

بُرے بدل کا انتخاب کرتا ہے: بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا (الکہف:50) یعنی یہ کتنا زیادہ بُرا بدل ہے ظالموں کے لئے:

How bad a substitute they have chosen! (18:50)

یہ آیت گویا کہ پوری تاریخ پر ایک تبصرہ ہے۔ انسان نے بار بار ایسا کیا ہے کہ اُس نے خدا کے سوا کسی اور کو اپنے لیے معبود کا درجہ دیا۔ لیکن ہر بار یہ ثابت ہوا کہ انسان کا انتخاب (choice) نہایت برا انتخاب تھا۔ ایک اللہ کے سوا، کسی کا بھی یہ درجہ نہیں کہ اس کو اپنا معبود بنایا جائے۔

قدیم زمانے میں ہزاروں سال تک انسان، نیچر کو معبود کا درجہ دیتا رہا۔ چناں چہ دنیا میں عمومی طور پر وہ نظامِ پرستش رائج ہوا جس کو فطرت پرستی (nature worship) کہا جاتا ہے۔

سورج، چاند، پہاڑ، دریا، سمندر اور دوسری چیزوں کے بارے میں انسان نے یہ فرض کرلیا کہ اُن کے اندر اُلوہیت (divinity) موجود ہے۔ اِس مفروضہ کی بنا پر، نیچر کی ہر چیز انسان کے لیے قابلِ پرستش بن گئی۔

دورِ سائنس

جدید سائنس کے زمانے میں نیچر کی ہر چیز کو تحقیق کا موضوع بنایا گیا، ہر چیز کا آزادانہ مطالعہ کیا جانے لگا۔ اِس تحقیق سے معلوم ہوا کہ نیچر صرف نیچر ہے، اُس میں کسی بھی قسم کی الوہیت (divinity) موجود نہیں۔ اِس دریافت کے بعد فطرت پرستی (nature worship) کا افسانہ ختم ہوگیا۔ نیچر نے معبود ہونے کی حیثیت کو کھو دیا۔

اِس کے بعد موجودہ زمانے میں صنعتی تہذیب (industrial civilization) کا دور شروع ہوا۔ اِس جدید تہذیب سے انسان کو بہت سی ایسی چیزیں ملیں، جو اُس کو پہلے نہیں ملی تھیں۔ جدید تہذیب کی اِس کامیابی نے بہت سے لوگوں کو فریب میں مبتلا کردیا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ جدید صنعتی تہذیب، اُن کے لیے معبود کا بدل (substitute) ہے۔ جدید تہذیب سے لوگوں کو وہی تعلق قائم ہوگیا جو معبودِ حقیقی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ انسانی صنعت کا ایک بہت بڑا منفی پہلو ہے، وہ یہ کہ

انسانی صنعت صرف تہذیب کو وجود میں نہیں لاتی، بلکہ وہ اِسی کے ساتھ صنعتی کثافت (industrial pollution) بھی پیدا کرتی ہے۔

اکیسویں صدی عیسوی میں یہ صنعتی کثافت اپنی اُس حد کو پہنچ گئی جس کو گلوبل وارمنگ کہا جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جدید صنعت ہمارے لیے جو دنیا بنا رہی ہے، وہ ایک پُرکثافت دنیا ہے، یعنی ایک ایسی دنیا جہاں انسان جیسی کسی مخلوق کے لیے رہنا ہی ممکن نہیں۔

انسان یہ سمجھتا تھا کہ صنعتی تہذیب اُس کے لیے اِسی دنیا کو جنت بنا دے گی، مگر معلوم ہوا کہ صنعتی تہذیب جو دنیا بنا رہی ہے، وہ اپنی آخری حد پر پہنچ کر انسان کے لیے ایک صنعتی جہنم (industrial hell) کے سوا اور کچھ نہیں۔ اِس طرح، صنعتی تہذیب کا مفروضہ معبود بھی ایک باطل معبود ثابت ہوا۔

اب انسان نے ایک اور معبود تلاش کیا۔ یہ معبود انسان کی خود اپنی ذات، یا سیلف (self) ہے۔ یہ سمجھ لیا گیا کہ خود انسان کے اندر وہ سب کچھ موجود ہے جس کو وہ اپنے باہر تلاش کر رہا ہے۔ اِس ذہن کے تحت، یہ فرض کرلیا گیا کہ انسانی وجود کا صرف ایک منفی پہلو ہے، اور وہ موت ہے۔ لوگوں کو یہ یقین ہوگیا کہ جدید میڈیکل سائنس یہ مسئلہ حل کردے گی اور انسان ابدی طور پر اِس دنیا میں جینے کے قابل ہوجائے گا۔

مگر میڈیکل سائنس بے شمار تحقیقات کے باوجود اِس معاملے میں ناکام ہوگئی، جدید میڈیکل سائنس، انسان کو ابدی زندگی (longevity) کا فارمولا نہ بتاسکی۔ چناں چہ یہ نظریۂ معبودیت بھی بے بنیاد ثابت ہوکر ختم ہوگیا۔

اب انسانی علم اُس مقام پر پہنچا ہے، جہاں اس کے لیے صرف ایک انتخاب (choice) باقی رہ گیا ہے، اور وہ یہ کہ وہ حقیقت پسند بنے اور اللہ واحد کو اپنا معبود تسلیم کر کے اس کے آگے جھک جائے۔ اِسی حقیقت پسندانہ اعتراف میں انسان کی دنیوی کامیابی کا راز بھی ہے اور اِسی میں اس کی اُخروی کامیابی کا راز بھی۔

قدیم شرک، جدید شرک

موجودہ دنیا میں انسان کے لیے زندگی کے دو راستے ہیں— سیدھا راستہ اور بھٹکاؤ کا راستہ (النّحل: 9)۔ سیدھا راستہ یہ ہے کہ آدمی خالق کو اپنی زندگی میں مرکزی مقام دے، وہ خالق کو اپنا سب کچھ بنالے۔ بھٹکاؤ کا راستہ یہ ہے کہ آدمی مخلوق میں گُم ہو جائے، وہ مخلوق کی نسبت سے اپنی زندگی کا پورا نقشہ بنائے۔ پہلے طریقے کا نام توحید ہے، اور دوسرے طریقے کا نام شرک ہے۔ ہماری کائنات میں صرف دو چیزیں ہیں— خالق اور مخلوق۔ خالق کو اپنا کنسرن بنانے کا مذہبی نام توحید ہے، اور مخلوق کو اپنا کنسرن بنانے کا مذہبی نام شرک۔

جیسا کہ معلوم ہے، انسانیت کے آغاز ہی سے ہر زمانے میں خدا کے پیغمبر آتے رہے اور انسان کو صحیح اور غلط کی رہ نمائی دیتے رہے۔ ہر پیغمبر کا مشن ایک ہی تھا— انسان کو توحید کی طرف بلانا، اور اس کو شرک سے بچنے کی تلقین کرنا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ہر زمانے میں توحید ایک تھی، اسی طرح شرک بھی ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔

قدیم شرک یا شرک کا قدیم ورژن (ancient version of *shirk*) نیچر پرستی (nature worship) پر قائم تھا۔ نیچر کی حیثیت مخلوق کی ہے۔ قدیم زمانے کے انسان نے نیچر کو معبود کا درجہ دے دیا۔ وہ نیچر پرستی کی بُرائی میں مبتلا ہو گیا، یعنی خالق کی پرستش کے بجائے مخلوق کی پرستش کرنا۔ اِسی کو مظاہرِ فطرت کی پرستش کہا جاتا ہے۔

موجودہ زمانے میں بھی یہ شرک اپنی پوری طاقت کے ساتھ موجود ہے۔ آج کا انسان بھی یہی کر رہا ہے کہ وہ خالق کے بجائے مخلوق کو اپنا سب کچھ (supreme concern) بنائے ہوئے ہے۔ قدیم شرک اور جدید شرک کے درمیان جو فرق ہے، وہ ظاہر کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے۔

قدیم انسان نے نیچر کو پرستش کا موضوع (object of worship) بنایا تھا۔ جدید انسان نے نیچر کو تفریح کا موضوع (object of entertainment) بنالیا ہے۔ جذباتِ عُبودیت کا مرکز پہلے بھی مخلوقات تھیں، اور اب بھی جذباتِ عبودیت کا مرکز مخلوقات ہیں۔

موجودہ زمانے کے انسان کا نظریہ یہ ہے کہ اپنے آج (now) میں خوش رہو، کل کی فکر چھوڑ دو۔ یہ ’’آج‘‘ کیا ہے۔ یہ وہی سامانِ حیات ہے جو ہم کو نیچر کی صورت میں ملا ہے۔ یہ سامانِ حیات خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ تفریح کے سامانوں میں سے کوئی بھی سامان انسان نے خود نہیں بنایا، وہ اس کو خالق کی طرف سے ملا ہے۔ یہ خالق ہے جو ساری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ آج کے انسان نے یہ کیا کہ اُس نے نعمت (blessing) کو لیا، اور منعم (giver) کو چھوڑ دیا۔ یعنی خالق رُخی نظریے کو ترک کرکے، مخلوق رخی نظریے کو اختیار کرلیا۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ اُس کو جب کوئی چیز ملے تو وہ دینے والے کا اعتراف کرے۔ احساسِ تشکُّر (gratitude) انسان کی فطرت کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ موجودہ زمانے میں انسان نے دوبارہ یہ کیا کہ اُس نے اپنے احساسِ تشکر کو خالق کے بجائے مخلوق کی طرف موڑ دیا۔ جو قلبی اعتراف اس کو مُنعم کے لیے پیش کرنا چاہیے تھا، اُس کو وہ منعم کی پیدا کردہ مخلوق کے لیے پیش کرنے لگا۔

آج کل کے لوگوں کی باتیں سنیے، یا ان کی تحریریں پڑھیے تو بار بار اِس قسم کے نمونے سامنے آتے ہیں۔ ہر آدمی اپنے روزانہ کے تجربات میں اِس کے نمونے دیکھ سکتا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر میں ایک حوالہ نقل کروں گا۔ نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (27 جنوری 2008) میں اِس موضوع پر ایک مضمون چھپا ہے۔ اِس کے لکھنے والے کا نام ڈونا (Donna Devane) ہے۔ اِس مضمون کا عنوان یہ ہے:

Be happy here and now.

آج کے زمانے میں انسان ایک عام مسئلے سے دوچار ہے۔ یہ مسئلہ ٹنشن یا اسٹریس (stress) ہے۔ یہ ٹنشن کیوں ہے، اِس کا سبب یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کو اُس کی مطلوب خوراک نہیں دے رہا ہے۔ وہ خالق کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے بھرپور انتفاع کررہا ہے، لیکن وہ خالق کا اعتراف نہیں کرتا۔ یہ بے اعترافی، یا عدم تشکر فطرت کے خلاف ہے۔ اِس لیے وہ انسان کے اندر شعوری یا غیر شعوری طور پر ٹنشن یا اسٹریس کا سبب بنا ہوا ہے۔

موجودہ انسان نے اِس کا یہ غیر فطری حل دریافت کیا ہے کہ دینے والے کے بجائے، خود دی ہوئی چیزوں پر تشکر کا اظہار کرنا۔ مذکورہ مضمون اِسی جدید ذہن کی نمائندگی کررہا ہے۔ چناں چہ اس میں کہا گیا ہے کہ تم ملی ہوئی چیزوں پر خوب تشکر کا اظہار کرو اور تم ٹنشن سے بچ جاؤ گے۔ اِس سلسلے میں مضمون نگار کے الفاظ یہ ہیں:

Gratitude fills my soul as I enjoy my computer, more about my home, enjoy the feeling of a hug from my daughter. There is so much to be grateful for each moment of each day. I find that where gratitude goes, joy flows, spend a few moments throughout the day with thought shifter statements. A few of the thought shifter statements that I use are: I am so happy and joyful to believe. I am so happy and grateful for this wonderful mind, and body that allow me to enjoy touch, taste, sound, and movement. I am so happy and grateful for my family, and friends, and the love we share. I am so happy and grateful for my home and utilities. I am so happy and grateful for my computer, my internet, my ability to type and share with friends all over the world.

انسان کے اندر جس طرح بھوک اور پیاس کا طاقت ور جذبہ موجود ہے، اُسی طرح یہ جذبہ بھی انسان کے اندر نہایت طاقت ور شکل میں موجود ہے کہ وہ اپنے محسن کے احسان کا اعتراف کرے۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے انسان اِس کا تحمل نہیں کرسکتا کہ اُس کو کسی سے کوئی بڑی چیز ملے اور وہ اس کا اعتراف نہ کرے۔ آدمی کا فطری مزاج یہ ہے کہ جب اُس کو کسی سے کوئی بڑا فائدہ پہنچتا ہے تو اس کی پوری شخصیت چاہتی ہے کہ چیخ کر وہ اس کا اعتراف کرے۔ یہ انسان کی ایک ایسی صفت ہے جس سے کوئی بھی عورت یا مرد خالی نہیں۔

انسان کے پاس جو کچھ ہے، وہ سب خدا کا عطیہ ہے۔ خواہ اس کا اپنا وجود ہو یا اس کے باہر کا۔ وہ پورا نظام جس کو لائف سپورٹ سسٹم (life support system) کہا جاتا ہے، سب کا سب اس کو

خدا کی طرف سے یک طرفہ عطیہ کے طور پر ملا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ وہ اِن تمام عطیات (blessings) کے لیے ان کے مُعطی (giver) کا بھرپور اعتراف کرے۔

اِن عطیات میں سے ایک قسم اُن عطیات کی ہے جو براہِ راست طور پر خدا کی طرف سے انسان کو مل رہے ہیں۔ مثلاً ہوا اور پانی اور روشنی، وغیرہ۔ اور دوسری چیزیں وہ ہیں جو بالواسطہ طور پر خدا کا عطیہ ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو انسان نے عالمِ فطرت میں دریافت کرکے خدا کی دی ہوئی عقل کے ذریعے اُن کو مختلف قسم کی مصنوعات میں تبدیل کیا ہے۔ مثلاً تمام قسم کے کنزیومر گُڈس (consumer goods)۔

یہ تمام عطیات تقاضا کرتے ہیں کہ انسان اپنے سارے دل اور سارے دماغ کے ساتھ اُن کا اعتراف کرے۔ لیکن خود ساختہ فلسفوں کے تحت، انسان نے یہ کیا کہ اُس نے عطیات کو لیا، اور اُن کے معطی (giver) کو حذف کردیا۔ یہ ایک بھیانک غلطی تھی۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کی فطرت ایڈریس ہونے سے رہ گئی:

The human nature was left unaddressed.

یہ کسی انسان کے لیے ایک داخلی تضاد کا معاملہ ہے۔ موجودہ زمانے میں تمام عورت اور مرد اِسی داخلی تضاد میں جی رہے ہیں۔ موجودہ زمانے کا وہ مسئلہ جس کو ٹنشن اور اسٹریس کہا جاتا ہے، وہ براہِ راست طور پر اِسی داخلی تضاد کا نتیجہ ہے۔

اِس حقیقت کو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرّعد: 28)** یعنی اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے:

Peace of mind can be achieved only through the remembrance of God (13:28)

شرک خفی

’’اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں

رکھتے۔ اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک خوش ہوجاتے ہیں‘‘ (الزمر:45)

مفسر آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنی کسی مصیبت میں ایک مرے ہوئے بزرگ کو پکار رہا ہے۔ انھوں نے کہا، اے شخص! خدا کو پکار۔ وہ خود فرماتا ہے: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرۃ:186) ان کی یہ بات سن کر آدمی سخت غصہ میں آ گیا۔ بعد کو لوگوں نے انھیں بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ ’’آلوسی اولیاء کے منکر ہیں‘‘۔ کچھ لوگوں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کی نسبت سے ولی جلد سن لیتے ہیں (تفسیر الآلوسی، 12/266)۔

یہ ذہنیت کبھی کھلی کھلی غیر اللہ پر اعتماد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جس کو شرک جلی کہا جاتا ہے۔ کبھی یہ ذہنیت شرک خفی کی صورت میں ہوتی ہے جس کو آج کل کی زبان میں شخصیت پرستی کہا جا سکتا ہے۔

آپ کثرت سے ایسے مذہبی حلقے پائیں گے جہاں بظاہر ’’اللہ اللہ‘‘ کا ورد ہوتا ہے اور قرآن پڑھا پڑھایا جاتا ہے، لیکن اگر وہاں کی مجلسوں میں خدا کی باتوں کا چرچا کیجیے تو لوگوں کو کوئی خاص دل چسپی نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اپنی پسندیدہ شخصیتوں کے چرچے رات دن ہوتے رہتے ہیں اور اس سے ان کی دل چسپی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

اکثر حالات میں شرک خفی، شرک جلی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ بظاہر برا نہ دکھائی دینے کی وجہ سے اکثر لوگ اس میں مبتلا رہتے ہیں۔ حتی کہ وہ لوگ بھی جو شرک جلی کے خلاف لسانی اور قلمی جہاد ہی کو اپنا مشغلہ بنائے ہوئے ہیں۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اہلِ ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں (البقرۃ:165)۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ ہدایت یافتہ وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے (التوبۃ:18)۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید یہ ہے کہ شدید محبت اور شدید خوف کا تعلق صرف ایک اللہ سے ہوجائے۔ اس کے مقابلہ میں شرک یہ ہے کہ آدمی اپنی شدید محبت اور اپنے شدید خوف

کا مرکز اللہ کے سوا کسی اور کو بنا لے، خواہ وہ کوئی زندہ ہو یا مردہ۔ اس معیار پر جانچیے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے لوگ جو اپنے کو شرک سے محفوظ سمجھتے ہیں وہ دراصل کچھ علامات شرک سے محفوظ ہیں نہ کہ فی الواقع حقیقت شرک سے۔

شرک خفی کا ظاہرہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَن صلّیٰ یُرائی فقد أشرک، ومن صام یرائی فقد أشرک، ومن تصدّق یُرائی فقد أشرک** (مسند احمد، حدیث نمبر 17140) یعنی جس شخص نے نماز پڑھی دکھانے کے لیے، اس نے شرک کیا۔ جس نے روزہ رکھا دکھانے کے لیے، اس نے شرک کیا۔ جس نے صدقہ کیا دکھانے کے لیے، اس نے شرک کیا۔

نماز اور روزہ اور صدقہ، خدا کی عبادتیں ہیں، پھر وہ شرک کیسے بن جاتے ہیں۔ ایسا اُس وقت ہوتا ہے، جب کہ مسلمانوں کا ایک معاشرہ بن جائے۔ معاشرہ ایک دنیوی تنظیم ہے۔ ایسی تنظیم جب وجود میں آتی ہے، تو وہ کوئی سادہ بات نہیں ہوتی۔ اب تمام مادّی روابط اِس سماجی تنظیم کے ساتھ جُڑ جاتے ہیں۔ قیادت، مادّی فائدے، انسانی تعلقات، تمام دنیوی نوعیت کی چیزیں سماج کے اندر وجود میں آجاتی ہیں، جس طرح وہ عام قسم کے سیکولر سماج میں موجود ہوتی ہیں۔ یہی وہ وقت ہے، جب کہ مسلمانوں کے درمیان مذکورہ قسم کا ''شرک'' وجود میں آتا ہے۔ اِس کو سماجی شرک بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِس سماج سے وابستہ ہر شخص کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اس کے اندر اپنے سماجی اسٹیٹس کو برقرار (maintain) رکھے۔ اِس نفسیات کے تحت، یہ ہوتا ہے کہ لوگ دین کی اسپرٹ (spirit) کو الگ کرکے صرف اس کا ظاہری ڈھانچہ (form) لے لیتے ہیں، اور اِسی ظاہری ڈھانچہ کی دھوم مچاتے ہیں۔

اِس ماحول میں لوگ ظاہری دین داری کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اپنے آپ کو دین دار ثابت کرنے کے بعد ہی وہ مسلمانوں کے اندر اپنی مطلوب جگہ بنا سکتے ہیں، وہ مسلمانوں کے اندر موجود تمام سماجی فائدے اپنے گرد اکھٹا کرسکتے ہیں، وہ مسلمانوں کے نمائندے بن کر اُن کے درمیان ہر قسم کے قیادتی مناصب پر قابض ہوسکتے ہیں۔ اِس قسم کی ظاہری عبادت میں رضاءِ الٰہی

کی اسپرٹ موجود نہیں ہوتی، اِس لیے حدیث میں اِس کو شرک کا نام دیا گیا۔

سائنس کے دور میں

اسی طرح جدید سائنس کے ظہور نے شرک کی دوسری بنیاد کو بھی ختم کر دیا۔ موجودہ زمانہ میں سائنسی دریافتوں کے ذریعہ یہ افسانہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا کہ فطرت کے مظاہر میں کوئی حقیقی تعدد ہے یا انھیں کوئی ذاتی عظمت حاصل ہے۔

جدید سائنس نے ایک طرف یہ کیا کہ اپنے تجزیہ اور تجربہ کے ذریعہ آخری طور پر یہ ثابت کر دیا کہ تمام چیزیں، ظاہری تعدد کے باوجود، اپنے آخری تجزیہ میں صرف ایٹم کا مجموعہ ہیں۔ اور ایٹم برقیاتی لہروں کا مجموعہ ہے۔ اس دریافت کے بعد فطرت میں تعدد کا افسانہ ختم ہو گیا۔ تمام چیزیں ظاہری فرق کے باوجود، اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ثابت ہو گئیں۔ گویا علم کی اگلی ترقی نے مشرکانہ نظریہ کو رد کرکے توحید کے نظریہ کے لیے ایک ثابت شدہ بنیاد فراہم کر دی۔

اسی کے ساتھ جدید سائنس نے دوسری بات یہ ثابت کی کہ زمین میں یا وسیع خلا میں جتنی بھی چزیں ہیں وہ سب کی سب بے بس مخلوق ہیں۔ سب کی سب ایک محکم قانون فطرت میں بندھی ہوئی ہیں۔ انھیں کسی بھی درجہ میں کوئی ذاتی اختیار یا اقتدار حاصل نہیں۔

تاہم توہمات کا ابھی تک مکمل خاتمہ نہیں ہوا۔ ذاتی زندگی میں آج بھی ساری دنیا میں کروڑوں لوگ پراسرار قسم کے توہمات میں یقین رکھتے ہیں۔ اہلِ علم طبقہ کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو دیوی دیوتاؤں کو تو نہیں مانتی مگر اب بھی وہ خدائے واحد تک نہیں پہنچی۔

فرق صرف یہ ہے کہ ان کی پچھلی نسلیں اگر دیوی دیوتاؤں میں اٹکی ہوئی تھیں تو اب قانون فطرت کے نام سے انھوں نے ایک اور معبود کو فرض کر لیا ہے اور اس کو اپنے ذہن میں اسی طرح بٹھائے ہوئے ہیں جس طرح قدیم انسان دیوی دیوتاؤں کو بٹھائے ہوئے تھا۔

قدیم زمانہ میں انسانی زندگی میں اور انسانی سماج میں بے شمار برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کے نتیجہ میں انسان اپنی فطری عظمت سے محروم ہو گیا تھا۔ یہ پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ

اٹھائی ہوئی تحریک توحید تھی جس نے دنیا کو اس المناک دور سے نکالا اور انسانیت کو حقیقی معنی میں ترقی کے دور میں داخل کیا۔

انسان پہلی بار ان سعادتوں سے ہمکنار ہوا جو خدا نے اس کے لئے مقدر کی تھیں مگر خودساختہ توہمات کے نتیجہ میں اس نے اپنے آپ کو ان سے محروم کر رکھا تھا۔ انسانیت تاریکی کے طویل دور سے نکل کر روشنی کے نئے دور میں داخل ہوگئی۔ اب بظاہر مادی ترقیوں کے باوجود انسان دوبارہ مسائل کے اندھیروں میں گرفتار ہوگیا ہے۔ خوشنما تمدن کے اندر وہ حقیقی خوشی اور سکون سے محروم ہے۔ انسان کی فطری عظمت دوبارہ پستیوں کے نئے کھڈ میں جا گری ہے۔

اب ضرورت ہے کہ توحید کی دعوت کو ازسرنو نئی طاقت کے ساتھ زندہ کیا جائے۔ ایک طرف اس کو نئے دلائل اور نئے اسلوب کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ قابل قبول بنایا جائے اور دوسری طرف جدید ذرائع اشاعت کو استعمال کرکے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جس کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک تاریخی پیش گوئی میں اس طرح فرمایا تھا — ایک وقت آئے گا جب کہ خدا کے دین کا پیغام ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ کوئی گھر یا کوئی خیمہ ایسا نہ بچے گا جس کے اندر توحید کا کلمہ پہنچ نہ گیا ہو۔ (یہ مضمون کتابچہ کی صورت میں دستیاب ہے)
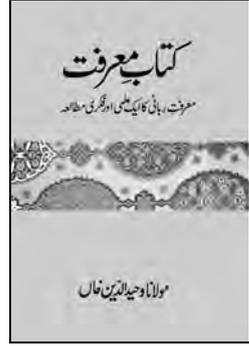
مخالفین مذہب کا استدلال

’’جس طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے مادّہ کے بارے میں انسان کے پچھلے تمام تصورات ختم ہوگئے اسی طرح پچھلی صدیوں میں علم کی جو ترقی ہوئی ہے وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ (knowledge explosion) ہے جس کے بعد خدا اور مذہب کے متعلق تمام پرانے خیالات بھک سے اُڑ گئے ہیں۔ (ہندستان ٹائمس، سنڈے میگزین، 23 ستمبر 1961) یہ جولین ہکسلے کے الفاظ ہیں۔ جدید بے خدا مفکرین کے نزدیک مذہب کوئی حقیقی چیز نہیں ہے۔ وہ انسان کی صرف اس خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ وہ کائنات کی توجیہہ کرنا چاہتا ہے۔ توجیہہ تلاش کرنے کا انسانی جذبہ بذاتِ خود غلط نہیں ہے۔ مگر کم تر معلومات نے ہمارے پرانے اجداد کو ان غلط جوابات تک پہنچا دیا جس کو خدا یا مذہب کہا جاتا ہے، اب جس طرح بہت سے دوسرے معاملات میں انسان نے اپنی علمی ترقی سے ماضی کی غلطیوں کی اصلاح کی ہے، اسی طرح توجیہہ کے معاملے میں بھی وہ آج اس پوزیشن میں ہے کہ اپنی انتہائی غلطیوں کی اصلاح کر سکے۔

اس طریق فکر کے مطابق مذہب، حقیقی واقعات کی غیر حقیقی توجیہہ ہے، پہلے زمانے میں انسان کا علم چونکہ بہت محدود تھا اس لیے واقعات کی صحیح توجیہہ میں اسے کامیابی نہیں ہوئی اور اس نے مذہب کے نام سے عجیب عجیب مفروضے قائم کر لیے مگر ارتقاء کے عالم گیر قانون نے آدمی کو اس اندھیرے سے نکال دیا ہے اور جدید معلومات کی روشنی میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اٹکل پچو عقائد پر ایمان رکھنے کے بجائے خالص تجرباتی اور مشاہداتی ذرائع سے اشیاء کی حقیقت معلوم کی جائے، چنانچہ وہ تمام چیزیں جن کو پہلے مافوق الطبیعی اسباب کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا۔ اب بالکل فطری اسباب کے تحت ان کی تشریح معلوم کر لی گئی ہے۔ جدید طریق مطالعہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ خدا کا وجود فرض کرنا انسان کی کوئی واقعی دریافت نہیں تھی بلکہ یہ محض دورِ لاعلمی کے قیاسات تھے جو علم کی روشنی پھیلنے کے بعد خود بخود ختم ہو گئے ہیں۔ جولین ہکسلے کہتا ہے:

”نیوٹن نے دکھا دیا ہے کہ کوئی خدانہیں ہے جو سیاروں کی گردش پر حکومت کرتا ہو۔
لاپلاس نے اپنے مشہور نظریے سے اس بات کی تصدیق کردی ہے کہ فلکی نظام کو خدائی
مفروضہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈارون اور پاسچر نے یہی کام حیاتیات کے میدان میں کیا
ہے اور موجودہ صدی میں علم النفس کی ترقی اور تاریخی معلومات کے اضافے نے خدا کو
اس مفروضہ مقام سے ہٹا دیا ہے کہ وہ انسانی زندگی اور تاریخ کو کنٹرول کرنے والا ہے“۔

(*Religion without Revelation*, N. Y. 1958. p. 58)

طبیعاتی دنیا میں اس انقلاب کا ہیرو نیوٹن ہے جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کچھ ناقابل تغیر اصولوں میں بندھی ہوئی ہے۔ کچھ قوانین ہیں جن کے تحت تمام اجرام سماوی حرکت کر رہے ہیں۔ بعد کو دوسرے بے شمار لوگوں نے اس تحقیق کو آگے بڑھایا۔ یہاں تک کہ زمین سے لے کر آسمان تک سارے واقعات ایک اٹل نظام کے تحت ظاہر ہوتے ہوئے نظر آئے جس کو قانون فطرت (law of nature) کا نام دیا گیا۔ اس دریافت کے بعد قدرتی طور پر یہ تصور ختم ہوجاتا ہے کہ کائنات کے پیچھے کوئی فعال اور قادر خدا ہے جو اس کو چلا رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ گنجائش اگر ہوسکتی ہے تو ایسے خدا کی جس نے ابتداءً کائنات کو حرکت دی ہو۔ چنانچہ شروع میں لوگ محرک اول کے طور پر خدا کو مانتے رہے۔ والٹیر نے کہا کہ خدا نے اس کائنات کو بالکل اسی طرح بنایا ہے جس طرح ایک گھڑی ساز گھڑی کے پرزے جمع کر کے انھیں ایک خاص شکل میں ترتیب دے دیتا ہے اور اس کے بعد گھڑی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد ہیوم نے اس ”بے جان اور بے کار خدا“ کو بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ ہم نے گھڑیاں بنتے ہوئے دیکھی ہیں۔ لیکن دنیائیں بنتی ہوئی نہیں دیکھیں۔ اس لیے کیوں کر ایسا ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کو مانیں۔

سائنس کی ترقی اور علم کے پھیلاؤ نے اب انسان کو وہ کچھ دکھا دیا ہے جس کو پہلے اس نے دیکھا نہیں تھا۔ واقعات کی جن کڑیوں کو نہ جاننے کی وجہ سے ہم سمجھ نہیں سکتے تھے کہ یہ واقعہ کیوں ہوا۔ وہ اب واقعات کی تمام کڑیوں کے سامنے آجانے کی وجہ سے ایک جانی بوجھی چیز بن گیا ہے۔ مثلاً پہلے

آدمی یہ نہیں جانتا تھا کہ سورج کیسے نکلتا اور کیسے ڈوبتا ہے۔ اس لیے اس نے سمجھ لیا کہ کوئی خدا ہے جو سورج کو نکالتا ہے اور اس کو غروب کرتا ہے۔ اس طرح ایک مافوق الفطری طاقت کا خیال پیدا ہوا۔ اور جس چیز کو آدمی نہیں جانتا تھا، اس کے متعلق کہہ دیا کہ یہ اسی طاقت کا کرشمہ ہے۔ مگر اب جب کہ ہم جانتے ہیں کہ سورج کا نکلنا اور ڈوبنا اس کے گرد زمین کے گھومنے کی وجہ سے ہوتا ہے تو سورج کو نکالنے اور غروب کرنے کے لیے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت۔ اسی طرح وہ تمام چیزیں جن کے متعلق پہلے سمجھا جاتا تھا کہ ان کے پیچھے کوئی ان دیکھی طاقت کام کر رہی ہے وہ سب جدید مطالعہ کے بعد ہماری جانی پہچانی فطری طاقتوں کے عمل اور ردعمل کا نتیجہ نظر آیا۔ گویا واقعہ کے فطری اسباب معلوم ہونے کے بعد وہ ضرورت آپ سے آپ ختم ہوگئی جس کے لیے پہلے لوگوں نے ایک خدا یا فوق الفطری طاقت کا وجود فرض کرلیا تھا۔ ''اگر قوس قزح گرتی ہوئی بارش پر سورج کی شعاعوں کے انعطاف (refraction) سے پیدا ہوتی ہے تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ آسمان کے اوپر خدا کا نشان ہے'' — ہکسلے اس قسم کے واقعات پیش کرتا ہوا کس قدر یقین کے ساتھ کہتا ہے:

If events are due to natural causes, they are not due to supernatural causes.

یعنی واقعات اگر فطری اسباب کے تحت صادر ہوتے ہیں تو وہ مافوق الفطری اسباب کے تحت پیدا کئے ہوئے نہیں ہوسکتے۔

اب اس دلیل کو لیجئے جو طبیعاتی تحقیق کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ یعنی کائنات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہاں جو واقعات ہو رہے ہیں وہ ایک متعین قانون فطرت کے مطابق ہو رہے ہیں۔ اس لیے ان کی توجیہہ کرنے کے لیے کسی نامعلوم خدا کا وجود فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ معلوم قوانین خود اسکی توجیہہ کے لیے موجود ہیں۔ اس استدلال کا بہترین جواب وہ ہے جو ایک عیسائی عالم نے دیا۔ اس نے کہا:

Nature is a fact, not an explanation.

یعنی فطرت کا قانون کائنات کا ایک واقعہ ہے، وہ کائنات کی توجیہہ نہیں ہے۔ تمھارا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہم نے فطرت کے قوانین معلوم کر لیے ہیں مگر تم نے جو چیز معلوم کی ہے وہ اس مسئلے کا جواب نہیں ہے جس کے جواب کے طور پر مذہب وجود میں آیا ہے۔ مذہب یہ بتاتا ہے کہ وہ اصل اسباب ومحرکات کیا ہیں جو کائنات کے پیچھے کام کر رہے ہیں۔ جب کہ تمھاری دریافت صرف اس مسئلہ سے متعلق ہے کہ کائنات جو ہمارے سامنے کھڑی نظر آتی ہے اس کا ظاہری ڈھانچہ کیا ہے۔

جدید علم جو کچھ ہمیں بتاتا ہے وہ صرف واقعات کی مزید تفصیل ہے نہ کہ اصل واقعہ کی توجیہہ۔ سائنس کا سارا علم اس سے متعلق ہے کہ ''جو کچھ ہے وہ کیا ہے''۔ یہ بات اس کی دسترس سے باہر ہے کہ ''جو کچھ ہے وہ کیوں ہے'' جب کہ توجیہہ کا تعلق اسی دوسرے پہلو سے ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ مرغی کا بچہ انڈے کے مضبوط خول کے اندر پرورش پاتا ہے۔ اور اس کے ٹوٹنے سے باہر آتا ہے۔ یہ واقعہ کیوں کر ہوتا ہے کہ خول ٹوٹے اور بچہ جو گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ نہیں ہوتا، وہ باہر نکل آئے۔ پہلے کا انسان اس کا جواب یہ دیتا تھا کہ ''خدا ایسا کرتا ہے''۔ مگر اب خردبینی مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ جب 21 روز کی مدت پوری ہونے والی ہوتی ہے، اس وقت ننھے بچے کی چونچ پر ایک نہایت چھوٹی سی سخت سنگ ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی مدد سے وہ اپنے خول کو توڑ کر باہر آ جاتا ہے۔ سینگ اپنا کام پورا کر کے بچہ کی پیدائش کے چند دن بعد خود بخود جھڑ جاتی ہے۔

مخالفین مذہب کے نظریے کے مطابق یہ مشاہدہ اس پرانے خیال کو غلط ثابت کر دیتا ہے کہ بچہ کو باہر نکالنے والا خدا ہے۔ کیونکہ خوردبین کی آنکھ ہم کو صاف طور پر دکھا رہی ہے کہ ایک 21 روزہ قانون ہے جس کے تحت وہ صورتیں پیدا ہوتی ہیں جو بچہ کو خول کے باہر لاتی ہیں۔ مگر یہ مغالطہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ جدید مشاہدہ نے جو کچھ ہمیں بتایا ہے وہ صرف واقعہ کی چند مزید کڑیاں ہیں، اس نے واقعہ کا اصل سبب نہیں بتایا۔ اس مشاہدہ کے بعد صورت حال میں جو فرق ہوا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ پہلے جو سوال خول کے ٹوٹنے کے بارے میں تھا، وہ ''سینگ'' کے اوپر جا کر ٹھہر گیا۔ بچہ کا اپنی سینگ سے خول کو توڑنا، واقعہ کی صرف ایک درمیانی کڑی ہے، وہ واقعہ کا سبب نہیں ہے۔ واقعہ کا سبب تو اس وقت معلوم ہوگا

جب ہم جان لیں کہ بچہ کی چونچ پر سینگ کیسے ظاہر ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں اس آخری سبب کا پتہ لگالیں جو بچہ کی اس ضرورت سے واقف تھا کہ اس کو خول سے باہر نکلنے کے لیے کسی سخت مددگار کی ضرورت ہے اور اس نے مادہ کو مجبور کیا کہ عین وقت پر ٹھیک 21 روز بعد وہ بچہ کی چونچ پر ایک ایسی سینگ کی شکل میں نمودار ہو جو اپنا کام پورا کرنے کے بعد جھڑ جائے۔ گویا پہلے یہ سوال تھا کہ ’’خول کیسے ٹوٹتا ہے‘‘۔ اوراب سوال یہ ہوگیا کہ ’’سینگ کیسے بنتی ہے‘‘۔ ظاہر ہے کہ دونوں حالتوں میں کوئی نوعی فرق نہیں۔ اس کو زیادہ سے زیادہ حقیقت کا وسیع تر مشاہدہ کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت کی توجیہہ کا نام نہیں دے سکتے۔

یہاں میں ایک امریکی عالم حیاتیات Cecil Boyce Hamann کے الفاظ نقل کروں گا:

’’غذا ہضم ہونے اور اس کے جزو بدن بننے کے حیرت انگیز عمل کو پہلے خدا کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اب جدید مشاہدہ میں وہ کیمیائی ردعمل کا نتیجہ نظر آتا ہے۔ مگر کیا اس کی وجہ سے خدا کے وجود کی نفی ہوگئی۔ آخر وہ کون طاقت ہے جس نے کیمیائی اجزا، کو پابند کیا کہ وہ اس قسم کا مفید ردّ عمل ظاہر کریں۔ غذا انسان کے جسم میں داخل ہونے کے بعد ایک عجیب وغریب خودکار انتظام کے تحت جس طرح مختلف مراحل سے گزرتی ہے، اس کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل خارج از بحث معلوم ہوتی ہے کہ یہ حیرت انگیز انتظام محض اتفاق سے وجود میں آگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مشاہدہ کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم یہ مانیں کہ خدا اپنے ان عظیم قوانین کے ذریعہ عمل کرتا ہے جس کے تحت اس نے زندگی کو وجود دیا ہے۔‘‘

(*The Evidence of God in an Expanding Universe*, p. 221)

یعنی فطرت کائنات کی توجیہہ نہیں کرتی، وہ خود اپنے لیے ایک توجیہہ کی طالب ہے۔

اگر آپ کسی ڈاکٹر سے پوچھیں کہ خون سرخ کیوں ہوتا ہے، تو وہ جواب دے گا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خون میں نہایت چھوٹے سرخ اجزا ہوتے ہیں (ایک انچ کے سات ہزارویں حصے کے برابر) یہی سرخ ذرات خون کو سرخ کرنے کا سبب ہیں۔

’’درست، مگر یہ ذرات سرخ کیوں ہوتے ہیں‘‘۔

''ان ذرات میں ایک خاص مادہ ہوتا ہے جس کا نام ہیموگلوبن (Haemoglobin) ہے۔ یہ مادہ جب پھیپھڑے میں آکسیجن جذب کرتا ہے تو گہرا سرخ ہوجاتا ہے''۔

''ٹھیک ہے، مگر ہیموگلوبن کے حامل سرخ ذرات کہاں سے آئے''۔

''وہ آپ کی تلی میں بن کر تیار ہوتے ہیں''۔

''ڈاکٹر صاحب! جو کچھ آپ نے فرمایا وہ بہت عجیب ہے۔ مگر مجھے بتائیے کہ ایسا کیوں ہے کہ خون، سرخ ذرات، تلی اور دوسری ہزاروں چیزیں اس طرح ایک کل کے اندر باہم مربوط ہیں اور اس قدر صحت کے ساتھ اپنا اپنا عمل کر رہی ہیں''۔

''یہ قدرت کا قانون ہے''۔

''وہ کیا چیز ہے جس کو آپ قانونِ قدرت کہتے ہیں''۔

''اس سے مراد ہے — Blind interplay of physical and chemical forces. (طبیعی اور کیمیائی طاقتوں کا اندھا عمل)۔

''مگر کیا وجہ ہے کہ یہ اندھی طاقتیں ہمیشہ ایسی سمت میں عمل کرتی ہیں جو انھیں ایک متعین انجام کی طرف لے جائے۔ کیسے وہ اپنی سرگرمیوں کو اس طرح منظم کرتی ہیں کہ ایک چڑیا اڑنے کے قابل ہو سکے۔ ایک مچھلی تیر سکے، ایک انسان اپنی مخصوص صلاحیتوں کے ساتھ وجود میں آئے''۔

''میرے دوست، مجھ سے یہ نہ پوچھو، سائنس داں صرف یہ بتا سکتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیا ہے، اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے''۔

یہ سوال و جواب واضح کر رہا ہے کہ سائنسی دریافتوں کی حقیقت کیا ہے۔ بلا شبہہ سائنس نے ہم کو بہت سی نئی نئی باتیں بتائی ہیں۔ مگر مذہب جس سوال کا جواب ہے، اس کا ان دریافتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کی دریافتیں اگر موجودہ مقدار کے مقابلے میں اربوں، کھربوں گنا بڑھ جائیں، جب بھی مذہب کی ضرورت باقی رہے گی۔ کیونکہ یہ دریافتیں صرف ہونے والے واقعات کو بتاتی ہیں، یہ واقعات کیوں ہو رہے ہیں اور ان کا آخری سبب کیا ہے۔ اس کا جواب ان دریافتوں کے اندر نہیں

ہے۔ یہ تمام کی تمام دریافتیں صرف درمیانی تشریح ہیں جب کہ مذہب کی جگہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آخری اور کلی تشریح دریافت کرے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی مشین کے اوپر ڈھکن لگا ہوا ہوتو ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ چل رہی ہے۔ اگر ڈھکن اتار دیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ باہر کا چکر کس طرح ایک اور چکر سے چل رہا ہے۔ اور وہ چکر کس طرح دوسرے بہت سے پرزوں سے مل کر حرکت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس کے سارے پرزوں اور اس کی پوری حرکت کو دیکھ لیں۔ مگر کیا اس علم کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے مشین کے خالق اور اس کے سبب حرکت کا راز بھی معلوم کرلیا۔ کیا کسی مشین کی کارکردگی کو جان لینے سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ خود بخود بن گئی ہے اور اپنے آپ چلی جارہی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کائنات کی کارکردگی کی بعض جھلکیاں دیکھنے سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ یہ سارا کارخانہ اپنے آپ قائم ہوا ہے اور اپنے آپ چلا جارہا ہے۔ ہیریز (A. Harris) نے یہی بات کہی تھی جب اس نے ڈارونزم پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

Natural selection may explain the survival of the fittest, but cannot explain the arrival of the fittest.

(*The Revolt against Reason* by A. Lunn, p. 133)

یعنی انتخاب طبیعی کے قانون کا حوالہ صرف زندگی کے بہتر مظاہر باقی رہنے کی توجیہہ کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں بتاتا کہ یہ بہتر زندگیاں خود کیسے وجود میں آئیں۔

اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لیے:
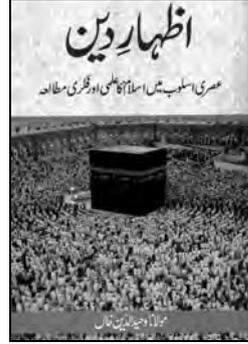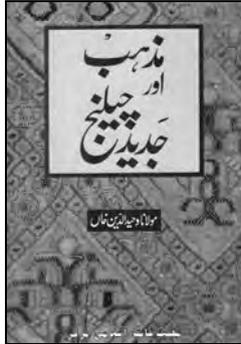
شادی کا مسئلہ

ایک صاحب نے اپنی پسند کی ایک خاتون سے شادی کی۔ شادی کے کچھ دنوں بعد ان سے میری ملاقات ہوئی۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ شادی سے پہلے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا ہوائی جہاز فضا میں اڑ رہا ہے۔ مگر شادی کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے کہ میرا جہاز کریش (crash) ہوگیا، اور میں جہاز کے ساتھ زمین پر گر پڑا۔

یہ ایک شخص کی بات نہیں۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کے معاملے میں اکثر لوگوں کا احساس کم وبیش یہی ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ شادی سے پہلے عورت اور مرد دونوں کی دلچسپیاں اپنے خونی رشتوں سے ہوتی ہیں۔ شادی کے بعد ان کو غیر خونی رشتہ داروں سے تعلق بنانا پڑتا ہے۔ بچپن سے شادی کی عمر تک دونوں اپنے خونی رشتوں کے درمیان رہتے ہیں۔ اس بنا پر دونوں کو اپنے خونی رشتوں سے خصوصی لگاؤ ہوجاتا ہے۔ جب کہ شادی کے بعد دونوں کو اپنے غیر خونی رشتہ داروں کے ساتھ نباہ کرنا پڑتا ہے۔ دونوں، شعوری یا غیر شعوری طور پر، اپنے آپ کو اس فرق کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کر پاتے۔ اس بنا پر طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اور شادی عملاً، پرابلم میرج (problem marriage) بن جاتی ہے۔ اس مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ خونی رشتوں اور غیر خونی رشتوں کا فرق ختم ہو۔ یہ ایک فطری فرق ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس مسئلے کا عملی حل صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں شعوری طور پر یہ جان لیں کہ وہ ایک فطری مسئلہ سے دوچار ہیں۔ جس کو وہ ختم نہیں کر سکتے۔ دونوں اگر شعوری طور پر اس بات کو جان لیں تو ان کے اندر ایڈجسمنٹ (adjustment) کا مزاج پیدا ہوگا۔ ان کے اندر یہ سوچ بیدار ہوجائے گی — جس مسئلے کو ہم بدل نہیں سکتے اس کو ہمیں نبھانا چاہیے، اس کے ساتھ ہمیں ایڈجسٹ کر کے رہنا چاہیے۔ اس فرق کا ایک مثبت پہلو ہے۔ یہ فرق آدمی کو ذہنی جمود (intellectual stagnation) سے بچاتا ہے۔ اس بنا پر آدمی کے اندر ذہنی ارتقا کا عمل رکے بغیر جاری رہتا ہے۔

سوال و جواب

سوال

میں ایک طالب علم ہوں اور جدید تعلیم حاصل کر رہا ہوں لیکن اسی کے ساتھ دینی معلومات بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ڈیڑھ سال سے پہلے میں نے آپ کا نام سنا تھا لیکن جن کے ذریعہ آپ کا تعارف ہوا انھوں نے آپ کا کوئی مثبت ذکر نہیں کیا بلکہ دلخراش واقعات سنائے جو کہ میرے لئے باعث تشویش رہے کہ کیا دین اسلام کا داعی اس قسم کی باتیں کہہ سکتا ہے، کیا ایسا ممکن ہے؟ آپ کے حقیقی تعارف کے بغیر میں ہر وقت شش و پنج میں رہتا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اِن باتوں کی حقیقت کو جاننے کے لیے از خود آپ کی کتابوں کا مطالعہ کروں۔ آخر کار اپنے ایک عزیز کی وساطت سے میں نے آپ کی ایک کتاب ''کاروانِ ملّت'' خریدی۔ کتاب مذکور میں ان سب سوالوں کا جواب تھا جس کی وجہ سے میں پریشان ہو چکا تھا۔ وہ منفی تاثرات جو آپ سے متعلق مجھے بتائے گئے تھے، وہ سب گمراہ کن لگے۔ بعد میں آپ کی کتابوں کا مطالعہ میرے روزمرہ کے شیڈول ایک جزء بن گیا۔ جن کتابوں کا مطالعہ کیا ان میں یہ کتابیں قابلِ ذکر ہیں: کتاب معرفت، عظمت اسلام، تعمیر انسانیت، دعوت اسلام، The Quran for all Humanity, Creation Plan of God، وغیرہ۔

اب میں اس خدا کا شکر کرتا ہوں جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ میرے خدا کی طرف سے یہ سب ممکن ہوا کہ میں روحِ دین کو سمجھنے کی کوشش کروں۔ اِس ''عُسر'' کے دور میں ''یُسر'' کا ایک موقع مجھے ضرور ملا جس کو میں نے استعمال کیا۔ آپ کی کچھ باتیں جن کی وجہ سے میری زندگی میں بدلاؤ آیا، وہ مفہوم میں کچھ اس طرح ہیں:

غیر مسلم ہمارے دشمن یا حریف نہیں بلکہ وہ ہمارے لیے مدعو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا ہمیں ان سے داعی اور مدعو کا رشتہ قائم کرنا ہوگا۔

یک طرفہ طور پر دکھ درد کو برداشت کر کے ہی ہم اسلام کا پیغام امن ان تک پہنچا سکتے ہیں۔

دین سلامتی کو دین قتل نہ بنائیں۔ دین امن کو دینِ جنگ و جدال نہ بنائیں۔

گمراہ کن نعروں سے مسلمانانِ دنیا کے جان، مال اورآبرو کو مباح نہ بنائیں۔

دعوت کے لئے ہرقربانی دینے کے لئے تیار رہنا، وغیرہ وغیرہ۔

ان جیسی اہم باتوں نے مجھے آپ کی فکر کو اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ اِس دوران میرے ذہن میں بہت سے اشکالات رہے جن کے جوابات جاننا میرے لئے ضروری ہوگیا۔ امید ہے کہ آپ اپنی حددرجہ مشغولیت کے باوجود ذیل کی باتوں میں میری رہنمائی فرمائیں گے:

1۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کیالائحہ عمل اپنانا ہوگا۔

2۔ قرونِ اول میں جو فتوحات ہوئیں، مثلاً مصر، روم، ایران وغیرہ، ان کو دفاعی جنگ (defensive war) کہنا کیسے ممکن ہے۔

3۔ ''نہی عن المنکر'' غیراسلامی حکومت کے اندر کیسے کیا جائے۔

4۔ دفاعی طریقہ کار سے کیا آج کے دور میں ہم کسی ملک کو زیر کرسکتے ہیں۔ (احمد وانی، کشمیر)

جواب

کسی کے بارے میں رائے قائم کرنا، ایک بے حد سنگین بات ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ متعلق شخص کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کرے، اور پھر معلومات کے مطابق وہ اپنی رائے بنائے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ پھر آپ کے اوپر فرض ہے کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کوئی رائے نہ بنائیں، بلکہ خاموشی کا طریقہ اختیار کریں۔ آدمی کے اوپر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ہر شخص کے بارے میں ضرور کوئی رائے بنائے، لیکن اگر اس کو کسی شخص کے بارے میں اپنے رائے کا اظہار کرنا ہے تو اس پر فرض ہوجاتا ہے کہ پہلے وہ براہ راست طور پر پوری معلومات حاصل کرے، اور اس کے بعد متعلق شخص کے بارے میں اپنی رائے قائم کرے۔

جہاں تک مذکورہ سوالات کا تعلق ہے۔ یہ سوالات ہماری کتابوں میں زیرِ بحث آچکے ہیں۔ آپ نے مطالعے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، اس کو جاری رکھیے، ان شاء اللہ آپ کو تشفی حاصل ہوجائے گی۔

سوال

بے ضمیر انسان اور امن پسند انسان میں کیا فرق ہے۔(مدثر مقبول، کشمیر)

جواب

دونوں قسم کے انسان کے درمیان بظاہر مشابہت ہوسکتی ہے۔مگر داخلی کیفیت (spirit) کے اعتبار سے دونوں کا کیس مکمل طور پر ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔ بے ضمیر انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے کرتا ہے۔اس کا کنسرن اپنی ذات ہوتی ہے نہ کہ وسیع تر معنوں میں انسانیت۔ اس کے برعکس، امن پسند انسان کا کنسرن انسانیت عامہ ہوتی ہے۔امن پسند انسان ایک با اصول انسان (man of principle) ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، اصول کی بنا پر کرتا ہے نہ کہ ذاتی انٹرسٹ کی بنا پر۔

دونوں قسم کے انسانوں کی پہچان یہ ہے کہ مفاد پرست انسان کے اندر تضاد پایا جائے گا جبکہ با اصول انسان کی زندگی تضاد سے خالی ہوگی۔مثلاً مفاد پرست انسان قومی معاملے میں ٹکراؤ کی بات کرے گا۔ وہ کہے گا کہ بے انصافی کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں اس کی اپنی ذات زد میں آتی ہو، جس میں اس کو اپنے لوگوں کا نقصان نظر آتا ہو تو وہ ٹکراؤ کی بات چھوڑ دے گا اور جوش وخروش کے ساتھ امن کے فضائل بیان کرے گا۔

اس کے برعکس، با اصول انسان ہر حال میں امن پسندی کی بات کرے گا۔خواہ زیر بحث مسئلہ ایک قومی مسئلہ ہو یا ایک ایسا مسئلہ جس میں اس کے اپنے لوگ زد میں آتے ہوں۔ با اصول انسان ایک قابلِ پیشین گوئی کردار (predictable character) کا حامل ہوتا ہے۔اس کے برعکس، مفاد پرست انسان کا کردار قابل پیشین گوئی نہیں ہوتا۔ وہ ایک قسم کے معاملے میں ایک رویہ اختیار کرتا ہے، اور اسی قسم کے دوسرے معاملے میں بالکل دوسرا رویہ۔

1۔ صدر اسلامی مرکز کی دو نئی انگریزی کتابیں، دی ایج آف پیس (The Age of Peace) اور قرآنک وزڈم (Quranic Wisdom) طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ خواہش مند حضرات انھیں گڈورڈ بکس سے حاصل کرسکتے ہیں۔

2۔ 12 جولائی 2015 صدر بازار پولیس اسٹیشن رائچور میں عید الفطر کی مناسبت سے پیس میٹنگ کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں سنٹر فار پیس اینڈ کمیونل ہارمنی رائچور کی جانب سے جناب ابوالحسن اور پروفیسر ظہیر الدین نے شرکت کی اور رائچور ضلع کے ایس پی، ایڈیشنل ایس پی، ڈی ایس پی، سرکل انسپکٹر و دیگر پولیس حکام کے درمیان قرآن، پرافٹ آف پیس اور دیگر لٹریچر تقسیم کیا۔ انھوں نے اس تحفہ کو بہ خوشی قبول کیا۔ ان کے علاوہ دیگر تمام شرکا کے درمیان بھی دعوتی لٹریچر تقسیم کئے گئے۔

3۔ 26 جولائی 2015 کو اررریہ (صوبہ بہار) کے ٹاؤن ہال میں 'اسلام اور امن کا پیغام' کے موضوع پر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس میں سبھی مذاہب کے افراد نے شرکت کی۔ اس پروگرام میں حافظ ابوالحکم دانیال نے شرکت کی، اور ایک تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ اسلام امن کا پیغام دیتا ہے اور سی پی ایس انٹرنیشنل کا مقصد سماج میں امن اور بھائی چارہ، آپسی میل جول قائم رکھنا ہے۔ پروگرام میں شریک سبھی لوگوں کو ہندی قرآن اور دیگر دعوتی لٹریچر دیے گیے۔

4۔ 22 اگست 2015 کو امیا یونیورسٹی، سوئیڈن کے پروفیسر تھامسن لنگ ڈرن نے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ پروفیسر موصوف اس سے پہلے بھی صدر اسلامی مرکز کا ان کی زندگی اور مشن کے تعلق سے انٹرویو لے چکے ہیں۔ آخر میں انھوں نے خود اپنی فرمائش سے صدر اسلامی مرکز کی کتابوں کا ایک سیٹ حاصل کیا۔ نیز انگریزی کتاب 'دی ایج آف پیس' کے کئی نسخے حاصل کیے، تاکہ وہ اس کو لوگوں کے درمیان تقسیم کرسکیں۔

5۔ 29 اگست 2015 ناگپور کی سی پی ایس ٹیم نے آئی ٹی ایم انجینئرنگ کالج، کامپٹی کا دعوتی دورہ کیا۔ اور وہاں کے اساتذہ اور طلبہ سے انٹریکشن کیا۔ نیز وہاں کے پرنسپل، ڈین، پروفیسرس اور طلبہ کے درمیان ترجمۂ قرآن و دعوتی لٹریچر (انگلش اور مراٹھی) تقسیم کیا۔ تمام لوگوں نے اس کو بہت خوشی اور شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

6۔ درگا پوجا مغربی بنگال کے ہندوؤں کا بہت اہم تیوہار ہے۔ یہ اکتوبر کے مہینہ میں منایا جاتا ہے، مگر اس کے لیے شاپنگ کی ابتدا پہلے سے ہوتی ہے جس کے لیے جگہ جگہ میلے لگتے ہیں۔ اس مرتبہ کولکاتا کی سی پی ایس ٹیم نے اس طرح کے ایک میلے میں اپنا ایک دعوتی اسٹال لگایا۔ لوگوں کی طرف سے بہت ہی اچھا رسپانس ملا، میلے میں آنے والے وزیٹرس اور اسٹال مالکان نے دعوہ لٹریچر خاص طور پر انگلش قرآن اور اسپرٹ آف اسلام میں اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس دعوتی اسٹال کو مس شبینہ علی، سی پی ایس ٹیم کولکاتا نے آرگنائز کیا تھا۔ اور یہ میلہ کولکاتا کے ایک پاش ایریا روجر ہاٹ میں 5-7 ستمبر 2015 کو لگا تھا۔

7۔ 26 اگست تا 9 ستمبر 2015 صدر اسلامی مرکز نے امریکا کا پندرہ روزہ دورہ کیا۔ اس سفر کا خاص مقصد امریکا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم 'اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا' (ISNA) کی جانب سے صدر اسلامی مرکز کو لائف ٹائم اچیومینٹ ایوارڈ کے لئے منتخب کیا جانا تھا۔ ان کو یہ ایوارڈ 6 ستمبر 2015 کو شکاگو میں منعقدہ ISNA کے 52 ویں سالانہ کنونشن کی ایک تقریب میں پیش کیا گیا۔ یہ ایوارڈ ISNA کے صدر ازہر عزیز نے پیش کیا۔ ایوارڈ پیش کرتے ہوئے اسنا کے صدر موصوف نے کہا: ''فروغ امن اور مختلف مذاہب کے لوگوں کو قریب لانے کی مولانا کی تاحیات کوششوں اور خدمات کے اعتراف میں ان کو اس ایوارڈ سے نوازا جا رہا ہے۔'' اس موقع پر ISNA کے انٹرفیتھ اور کمیونٹی الائنس آفس کے نیشنل ڈائریکٹر ڈاکٹر سید سعید نے مولانا کی نئی کتاب دی ایج آف پیس (The Age of Peace) کا اجراء کیا اور کہا کہ مولانا کی اس اہم ترین کتاب کا ہر شخص کو مطالعہ کرنا اور اس پر آپس میں تبادلہ خیال کرنا چاہیے۔ اس پندرہ روزہ سفر کے دوران مولانا نے نیویارک، پنسلوانیا، واشنگٹن اور شکاگو کا دورہ کیا اور یہاں پر مختلف پروگرام میں اپنے خطاب میں امریکی مسلمانوں کی توجہ دعوت کی طرف مبذول کرائی۔ ذیل میں ایک ادارے کی طرف سے شکریے کا ایک خط نقل کیا جا رہا ہے جہاں صدر اسلامی مرکز اپنی ٹیم کے ساتھ گئے اور امن کے موضوع پر خطاب اور انٹریکشن کیا:

Dear Khaja Kaleem, Many thanks to you and everyone who made your visit with Maulana Khan and the delegation possible. We were truly honored by Maulana's visit and his inspiring remarks. Please convey our deepest gratitude to him! Thank you for leaving the incredible library of Maulana's publications with us to share with our colleagues and friends! Warmest regards (Melissa Nozell, Program Specialist, United States Institute of Peace, Washington, D.C.)

8۔ ابھی حال ہی میں حکومت دبئی نے ایک اہم فیصلہ لیا ہے۔ جس کے تحت دبئی کے تمام ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن کا انگلش ترجمہ رکھنا ضروری ہے تا کہ وہاں ٹھہرنے والے مہمان اس کو پڑھ سکیں۔ اس حکومتی فیصلے پر عمل کرتے ہوئے روٹانا گروپ ہوٹل (Rotana Group Hotel) نے صدر اسلامی مرکز کے انگلش قرآن کو اپنے گروپ کے تحت چل رہے تمام ہوٹلوں میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ پہلے سے عرب امارات کے مختلف ہوٹلوں اور سیاحتی مقامات جیسے میوزیمس، اور تاریخی مساجد وغیرہ کے ذریعے وہاں آنے والے سیاحوں کے درمیان صدر اسلامی مرکز کے انگریزی ترجمۂ قرآن کی تقسیم کا کام ہو رہا ہے۔

9۔ ذیل میں ایک قاری الرسالہ کا تاثر نقل کیا جا رہا ہے:

میں الرسالہ اور آپ کی تحریروں کا پرانا قاری ہوں۔ آپ کی تحریروں کی وجہ سے میں فکری کنفیوزن کے جنگل سے نکل سکا ہوں۔ یہ اللہ کا بہت بڑا کرم اور آپ کا احسان ہے۔ (محمد منصور سردار، کلیان، مہاراشٹر)

اعلان

الرسالہ مشن کی مطبوعات، ماہنامہ الرسالہ (اردو، انگلش)، نیز دعوتی لٹریچر درج ذیل پتے پر دستیاب ہیں:

Dr. M. Aslam Khan (Principal)
National Medical IGNOU Community College
38 Ayodhyapuram, Mahipura, Dehradun Road, Saharanpur, U.P.
www.nmicc.com, dr_aslm@rediffmail.com, +919997153735

Kitab Manzil
Jama Masjid, Main Road, Motihari,
East Champaran-845401, Bihar
Mob. 09973360552

CPG Message Forum
At+P.O. Bahadurganj, Main Road,
Dist. Kishanganj. Pin-855101, Bihar
Mob. 9470272115, 9430900563

Shahid Khan
Yashika Books
Imami Gate Bus Stop, Imami Gate
Bhopal-462 001, M.P.
Mob: 9300908081

Mr. Usman
Goodword Books (Distributor)
71/1, Plot No. 11, Ansar Colony, Near Maharashtra Sizing,
Malegaon, Dist. Nashik, Maharashtra -423203
Mob. 08983759678

مذکورہ بالا ایڈریس پر ہر جمعہ کو بعد مغرب الرسالہ مشن کے ممبران کی میٹنگ بھی ہوتی ہے

بنگلور میں مطبوعات الرسالہ حاصل کرنے کے لیے اب ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں:

Mahboob Book Depot
Opp. Russel Market, Shivajinagar, Bangalore-560 051
Ph. 080-22867138, 09538293903,
E-mail: faizan500@gmail.com

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن 33 فی صد ہے۔ 50 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 40 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زر تعاون الرسالہ

	ہندستان کے لئے	بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)
ایک سال	Rs. 200	$20
دو سال	Rs. 400	$40
تین سال	Rs. 600	$60

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

- اللہ اکبر
- اتحاد ملّت
- احیاء اسلام
- اسباق تاریخ
- اسفار ہند
- اسلام: ایک تعارف
- اسلام: ایک عظیم جدوجہد
- اسلام اور عصر حاضر
- اسلام پندرہویں صدی میں
- اسلام دور جدید کا خالق
- اسلام دین فطرت
- اسلام کا تعارف
- اسلام کیا ہے
- اسلامی تعلیمات
- اسلامی جہاد (جدید)
- اسلامی دعوت
- اسلامی زندگی
- اظہارِ دین
- اقوالِ حکمت
- الاسلام
- الربانیہ
- امن عالم
- امہات المومنین (ڈاکٹر فریدہ خانم)
- انسان اپنے آپ کو پہچان
- انسان کی منزل
- ایمانی طاقت
- آخری سفر
- باغ جنت
- پیغمبر اسلام
- پیغمبر انقلاب
- تذکیر القرآن
- تاریخ دعوت حق
- تاریخ کا سبق
- تبلیغی تحریک
- تجدید دین
- تصویر ملت
- تعارف اسلام
- تعبیر کی غلطی
- تعدد ازواج
- تعمیر انسانیت
- تعمیر حیات
- تعمیر کی طرف
- تعمیر ملت
- حدیث رسول
- حقیقت حج
- حقیقت کی تلاش
- حکمتِ اسلام
- حل یہاں ہے
- حیات طیبہ
- خاتونِ اسلام
- خاندانی زندگی (پمفلٹ)
- خدا اور انسان
- خلیج ڈائری
- دعوت اسلام
- دعوت حق
- دین انسانیت
- دین کامل
- دین کی سیاسی تعبیر
- دین کیا ہے
- دین وشریعت
- دینی تعلیم
- ڈائری 1983-84
- ڈائری 1989-90
- ڈائری 1991-92
- ڈائری 1993-94
- رازِ حیات
- راہ عمل
- راہیں بند نہیں
- روشن مستقبل
- رہنمائے حیات (پمفلٹ)
- رہنمائے حیات
- زلزلہ قیامت
- سبق آموز واقعات
- سچا راستہ
- سفرنامہ اسپین وفلسطین
- سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
- سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
- سوشلزم اور اسلام
- سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
- سیرتِ رسول
- شتم رسول کا مسئلہ
- شہادت: امت مسلمہ کا مشن (جدید)
- صراطِ مستقیم
- صوم رمضان
- طلاق اسلام میں
- ظہور اسلام
- عظمت اسلام
- عظمت صحابہ
- عظمت قرآن
- عظمتِ مومن
- عقلیاتِ اسلام
- علماء اور دور جدید
- عورت معمارِ انسانیت
- فسادات کا مسئلہ
- فکر اسلامی
- قال اللہ وقال الرسول
- قرآن کا مطلوب انسان
- قیادت نامہ
- کاروانِ ملت
- کتابِ زندگی
- کتابِ معرفت
- کشمیر میں امن
- مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
- مذہب اور جدید چیلنج
- مذہب اور سائنس
- مسائل اجتہاد
- مضامین اسلام
- مطالعۂ حدیث
- مطالعۂ سیرت (پمفلٹ)
- مطالعۂ سیرت
- مطالعۂ قرآن
- منزل کی طرف
- مولانا مودودی، شخصیت اور تحریک (ڈاکٹر فریدہ خانم)
- میوات کا سفر
- نار جہنم
- نشری تقریریں
- نئے عہد کے دروازے پر
- ہندستان آزادی کے بعد
- ہندستانی مسلمان
- ہند-پاک ڈائری
- یکساں سول کوڈ

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month
Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2015-17
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2015-17